اسلام کے تیرہ سفیروں کی لاہور میں عہد بہ عہد داستان

لاہور کے بزرگانِ دین

راؤ جاوید اقبال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام کے تیرہ سفیروں کی لاہور میں عہد بہ عہد داستان

لاہور کے بزرگانِ دین

اضافی ایڈیشن

مصنف

راؤ جاوید اقبال

ناشر

لوہ کوٹ پبلیشرز

پوسٹ بکس نمبر 622 جی پی او لاہور

یونس بک ڈپو۔ راجپوت مارکیٹ اُردو بازار، لاہور 7322157

گلزار نیوز ایجنسی۔ ہسپتال روڈ اخبار مارکیٹ لاہور 7323132

اسلام کے تیرہ سفیروں کی لاہور میں مہد بہ مہد داستان

لاہور کے بزرگانِ دین

اضافی ایڈیشن

نام کتاب	....	لاہور کے بزرگانِ دین
مصنف	....	راؤ جاوید اقبال
خصوصی تعاون	....	لوہ کوٹ رائیٹرز کلب
اوّل اشاعت	....	اگست 2002ء
دوئم اشاعت	....	مارچ 2003ء
کمپوزنگ	....	سید اعظم انوار، خرم شہزاد
تعداد	....	پانچ ہزار
صفحات	....	100

قیمت 34 روپے

ناشر

لوہ کوٹ پبلیشرز

پوسٹ بکس نمبر 622 جی پی او لاہور

یونس بک ڈپو • راجپوت مارکیٹ اُردو بازار، لاہور 7322157

گلزار نیوز ایجنسی • ہسپتال روڈ اخبار مارکیٹ لاہور 7323132

لاہور کے بزرگانِ دین

انتساب

حضرت حاجی بابا شاہ محمد نگانویؒ

کے نام

جن کی تربیت نے نشانِ راہ بخشا

ہوئی اندھی عقل تیری، کیسی تیری یہ جوانی ہے
کہاں ہیں باتِ دادا سب تیرے جن کی تو نشانی ہے

حرف اوّل

خداوند قدوس کے مبارک نام سے ابتداء جس کی بے شمار نعمتیں بے کراں رحمتیں بلا امتیاز نوح انسانی پر برستی ہیں۔ اور اس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر شعور محض اس لیئے دیا کہ وہ اس کی تخلیق میں غور کرے۔
لاہور کو سیاسی و تاریخی حوالے سے اللہ تعالیٰ نے اہم مقام عطا کیا ہے۔ ایک ٹیلہ پر واقع دنیا کے اس قدیم تاریخی شہر کو راجپوت شہزادے راجہ رام چندر جی کے بیٹے ''لوہ'' نے پہلی صدی عیسوی کے آخر یا دوسری صدی عیسوی کے آغاز بعض روایات کے مطابق تیسری صدی عیسوی میں آباد کیا جو زمانہ قدیم سے اللہ کے برگزیدہ بندوں کا مسکن رہا ہے جو مشعل نور۔ سوز وساز عشق ومحبت وخلوص۔ صدق وصفا۔ لطف عطا۔ جود وسخا۔ مہر ووفا۔ حب ولا کے پیکر تھے۔ لوگوں کی راہنمائی کے لئے اللہ کے یہ بندے ذہنی غلامی و پابندی سے آزاد۔ نفع ونقصان کے خوف سے پاک محبت، اخوت، ایثار، مساوات، سچائی، خلوص، بانٹنے دور دراز سے بے شمار سفری صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے اُس وقت سے کہ جب اسلام آیا ہر دو میں یہاں آتے رہے ہیں۔ اور رشد وہدایت کا یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔
بزرگان دین کا روحانی فیض خواص وعام کیلئے یکساں ہوتا ہے ان کی تعلیمات وارشادات طالبان راہ حق کے لیے قلب وروح کی بالیدگی کا موجب بنتی ہیں۔ اور ہر مرتبہ واستداد کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور ظرف کے مطابق ان سے مستفید ومستفیض ہوتے ہیں۔ ان صالح لوگوں نے اپنی حیات مبارکہ میں ''کفرستان ہند'' میں اسلام کا پرچم لہرایا اور اپنی روحانی قوت کے ذریعے بے شمار گم گشتگان بادیہ کفرو ضلالت کو صراط مستقیم پر گامزن کیا۔ اور ان کے سینوں کو دین اسلام کی روشنی سے منور فرمایا۔
لاہور ہمیشہ سے مرکز اسلام رہا ہے۔ یہ شہر آج بھی اپنے دامن میں ہزاروں اسلامی یادگاروں کو لئے ہوئے ہے۔
اس شہر کی مٹی تلے بے شمار ''بزرگان دین'' آسودہ خاک ہیں جنھوں نے اپنے اپنے دور میں دین اسلام کی بے پناہ خدمت کی اور بے شمار غیر مسلم خصوصاً ہندو راجپوت انکی مساعی جمیلہ اور اخلاق حمیدہ سے متاثر ہو کر مشرف با اسلام ہوئے۔ اگرچہ شہر اولیاء ''لاہور'' کے ''بزرگان دین'' کے بارے میں بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ مگر بندہ نے اس ادنا کاوش میں اس شہر کے تیرہ دروازوں کی نسبت سے تیرہ بزرگان دین کی حیات مبارکہ اور دینی خدمات کے پوشیدہ واقعات کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے جو شمع رسالتؐ کے پروانوں نے اپنی حیات مبارکہ میں انجام دیئے۔ لاہور کے بزرگان دین کا اضافی ایڈیشن جو حضرت شیخ حسینؒ المشہور حضرت مادھو لال حسینؒ کے 415 ویں عرس مبارک کے موقع پر شائع کیا گیا ہے آپ کے ہاتھ میں ہے۔ بندہ نے اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ زیادہ سے زیادہ معلومات قاری تک پہنچائی جائیں۔ کرم فرماؤں سے درخواست ہے کہ کہیں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اصلاح کیجئے گا۔ تاکہ آئندہ ایڈیشن میں درستگی کی جاسکے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ اس کاوش کی تحقیق وتدوین میں کوئی کوتائی سرزد ہوئی ہو تو معاف فرمائے۔ (آمین)

راؤ جاوید اقبال

25 محرم الحرام 29 مارچ 2003ء

فہرست

عورتوں کیلئے زیارت قبور......؟

''اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش یعنی زیور کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر جو اُس میں سے کھلا رہتا ہو اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے خاوند اور باپ اور سسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنی (ہی قسم کی) عورتوں اور لونڈی غلاموں کے سوا نیز اُن خدام کے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں۔ (غرض ان لوگوں کے سوا) کسی پر اپنی زینت اور سنگار کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیں اور اپنے پاؤں (ایسے طور پر زمین پر نہ ماریں) کہ (جھنکار کانوں میں پہنچے) اور ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے اور مومنو سب خدا کے آگے توبہ کرو تا کہ فلاح پاؤ۔''
(سورۃ النور آیت 31)

''عورتوں کیلئے زیارت قبور میں تین قول ہیں!
ایک ''منع مطلقاً لقوله عليه السلام لعن الله زوارت القبور۔''
دوسرا جواز ''مطلقاً لقوله عليه السلام كُنت نهيتكم عن زيارةِ القبور فزوزُ هافانها تذهد فى الدنيا وتذكر الآخرة، الحديث قالو لمانسخ النهى بلغ الرخصتد الرجال والنساء جميعا.''
تیسرا قول ''تفصیل اس طرح کہ اگر مقصود زیارت سے ندبہ و نوحہ وغیرہ کرنا ہو تب تو حرام وهو محمل قوله عليه السلام الاوّل / اور اگر عبرت اور برکت کیلئے ہو تو بوڑھیوں کو جائز وهو محمل قوله عليه السلام الثانی / اور جوانوں کو ناجائز جیسا مساجد میں آنا، بقول حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''لو ان رسول الله صلى الله عليه وسلم راى ماا حدث النساء بعده لمنعن كما منعت نساء بنى اسرائيل'' یہ تفصیل ردالمختار میں خیر رملی سے نقل کر کے کہا ہے وهو توفيق حسن اھ۔ اور اس حکم میں عربیات و عجمیات سب برابر ہیں، ہماری شریعت اَسود و اَحمر کیلئے یکساں ہے، والله اعلم۔''
(امداد الفتاویٰ، کتاب الحظر والاباحۃ، صفحہ 134-133 جلد 2۔ از مولانا اشرف علی تھانوی، مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی، بھارت 1346ھ)۔

اِنحنا

انحنا (یعنی کسی کی تعظیم کیلئے جھکنا اور پیٹھ دُہری کرنا) شرعاً مکروہ (ناپسندیدہ) ہے مگر جاننا چاہئے کہ ہر عمل دراصل نیت کے ساتھ وابستہ ہے، اگر مقصود کوئی اور فعل، انحنا خود مقصود نہیں بلکہ جھکنے کی حالت وصورت اس فعل کو انجام دینے کا وسیلہ وذریعہ ہے تو ایسے جھکنے کی ہرگز ممانعت نہیں ہے، جیسا کہ عالم دین یا سلطانِ عادل، یا والدین کی تعظیم وخدمت کیلئے ان کا گھوڑا باندھنا یا کھول کر لانا، وضو کرانا، پاؤں دُھلانا، بستر بچھانا، انہیں بستر پر لٹانا، ان کی جوتیاں اٹھانا، یا ان کے پاؤں میں پہنانا، یا ان کی جوتیاں سیدھی کرنا وغیرہ یہ سب افعال، تعظیم وتکریم ہی ہیں اور ان کیلئے جھکنا ضرور ہوگا مگر یہ انحنا ہرگز ممنوع نہیں کیوں کہ ان افعال سے مقصود تعظیم ہے نہ کہ جھکنا۔ یعنی یہ کام کرنے کیلئے اگر جھکنا پڑے تو اصل مقصد وہ کام ہوگا، اصل مقصد جھکنا نہ ہوگا اور جھکے بغیر یہ کام ہوسکیں تو پھر جھکنے کی بات ہی نہ ہوگی۔ کتب احادیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ سعادت حاصل تھی کہ وہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بستر مبارک بچھاتے، رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک جوتیاں (نعلین مُقدس) اٹھا کر اپنے پاس رکھتے اور مجلس سے اُٹھتے وقت وہ، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک قدموں میں رکھتے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وضو کراتے۔ فقہ حنفی کی معتبر کتاب دُرمختار میں ہے کہ ماں کے قدموں کو چومنا ایسا ہے جیسا کہ جنت کی چوکھٹ کو چومنا ...... بوسۂ قدم کیلئے جھکنا پایا جائے گا مگر یہ جھکنا بوسۂ قدم کے لئے ہوگا، اس کا اصل مقصد جھکنا نہیں ہوگا۔ اس لئے قدم بوسی وغیرہ کیلئے جھکنے کو سجدہ قرار دینا یا حرام وناجائز کہنا غلط ہوگا۔ شریعت وسنت میں سجدۂ عبادت، اللہ کے ساتھ خاص ہے، اللہ کے سوا کسی کو عبادت کی نیت سے سجدہ نہیں کیا جاسکتا، اگر اللہ کے سوا کسی کو عبادت کے لائق سمجھا جائے اور اسے سجدہ کیا جائے تو یہ شرک ہے۔ کسی کی تعظیم کرتے ہوئے اسے سجدہ کرنا حرام ہے اور ایسا سجدہ کرنے والا گناہ گار ہے۔ ماں کی قبر کو پائنتی کی طرف سے چومنا یا والد کی قبر کو سرہانے کی طرف سے چومنا، یا کسی بزرگ کے مزار یا اس کے غلاف کو چومنا اور ایسا کرنے کیلئے جھکنا، ہرگز سجدہ نہیں ہے، لیکن بزرگوں کی تعلیم یہی ہے کہ ایسا کرتے ہوئے بھی (بالخصوص علماء ومشائخ) احتیاط ملحوظ رکھیں کیوں کہ ایسا کرنے والے کی نیت سے دیکھنے والے سب لوگ آگاہ نہیں ہوتے، ہوسکتا ہے کہ وہ بدگمانی کریں یا کسی کے عمل کو سند جان کر بے محل بجالائیں، ایسی حالت میں اتنا کافی ہے کہ وہ آستانے کو ہاتھ لگا کر اپنی آنکھوں اور منہ پر پھیر لے۔

(مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی)

مزارات وتبرکات کے فیوض و برکات

☆ امام نووی شرح صحیح مسلم میں زیر حدیث عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:
اس حدیث میں علم کی کئی اقسام ہیں اور اس سے صالحین کے آثار سے تبرک (برکت) حاصل کرنا، علماء، صالح بزرگوں کی زیارت کرنا، ان کی پیروی کرنا اور ان سے تبرک حاصل کرنا۔ زیر حدیث ابو حجیفہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ، حضور نبی کریمؐ کے وضو کا (استعمال شدہ) پانی لے کر نکلتے تو (صحابہ کرام میں سے) کوئی اسے لیتا تھا (پینے کیلئے) اور کوئی (اسے اپنے منہ وغیرہ پر ملتا تھا)۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صالحین کے آثار سے برکت وتبرک حاصل کرنا، ان کے بچے ہوئے پانی اور کھانے (غذا کی چیزوں) اور لباس سے تبرک حاصل کرنا، جائز ہے۔

☆ ''ایک انگریز نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں سب سے زیادہ حیرت انگیز بات میں نے یہ دیکھی کہ اجمیر میں ایک مردہ کو دیکھا کہ اجمیر میں پڑا ہوا سارے ہندوستان پر سلطنت کر رہا ہے۔ واقعی خواجہ (حضرت غریب نواز سیدنا معین الدین چشتی اجمیریؒ) کے ساتھ لوگوں کو بالخصوص ریاست کے امراء کو بہت ہی عقیدت ہے۔ ان حضرات (اہل اللہ) نے اللہ کی اطاعت کی تھی، پھر دیکھیے کیا رنگ ظاہر ہو رہا ہے۔'' (کمالاتِ اشرفیہ، صفحہ 236، از مولانا اشرف علی تھانوی)

☆ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے ''فیوض الحرمین'' میں صراحت سے لکھا ہے کہ بزرگانِ دین نے جہاں نمازیں ادا کی ہوں ان جگہوں میں برکت ہوتی ہے اور وہاں نماز ادا کرنا فضیلت رکھتا ہے اور کاملین کے آثار دوسروں کے آثار سے ممتاز ہوتے ہیں۔

وہ ہمعات میں لکھتے ہیں کہ: ازیں جاست حفظ اعراس مشائخ و مواظبت زیارت قبور ایشاں والتزام فاتحہ خواندن و صدقہ دادن برائے ایشاں و اعتنائے تمام کردن بہ تعظیم آثار اولاد و منتسبانِ ایشان ۔ اس سے معلوم ہوا کہ پابندی سے مشائخ کا عرس منانا، ان کی قبور (مزارات) کی پابندی سے زیارت کرنا، ان کے لئے فاتحہ خوانی کرنا اور صدقہ دینا اور ان کے آثار اولاد اور ان سے نسبت رکھنے والوں سے تعظیم کے ساتھ مکمل توجہ کا برتاؤ کرنا۔ ولنعمَ ما قیل۔

بمقامے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدہ صاحب نظران خواہد بود

☆ المستدرک (امام حاکمؒ) جلد چہارم، صفحہ 515، مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد دکن اور مُسندِ احمد صفحہ 422 جلد 5 میں حدیث پاک ہے:۔

قال اقبل مروان یوما فوجد رجلا واضعاو جهه علی القبر فاخذ برقبته وقال

اتدی ماتصنع قال نعم فاقبل علیه فاذا هو ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنه فقال جئت رسول اللہ صلی اللہ علیه واله وسلم ولم آت الحجر سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه و آله وسلم یقول لا تبکوا علی الدین اذا ولیه اهله ولکن ابکوا علیه اذا ولیه غیر اهله۔(ہذا حدیث صحیح الاسناد)

ترجمہ:۔ (گورنرِ مدنیہ) مروان آیا تو اس نے ایک شخص کو (رسول اللہؐ) کی قبر انور پر چہرہ رکھے ہوئے پایا تو مروان نے اس شخص کو گردن سے پکڑا اور کہا کیا تو جانتا ہے کہ تو کیا کر رہا ہے؟ (اس نے) کہا، ہاں پس جب اس شخص کی طرف (مروان) نے توجہ کی تو اچانک (کیا دیکھا کہ) وہ حضرت ابوایوب انصاری تھے، تو (حضرت ابوایوب انصاری) نے فرمایا کہ میں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا بلکہ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے تھے کہ دین پر اس وقت نہ روؤ جب حکمران اہل ہو لیکن دین پر اس وقت روؤ جب دین کا ولی (حکمران) نااہل ہو۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (حضرت ابوایوب انصاری کا اشارہ مروان کی طرف تھا کہ تو نااہل حاکم ہے، اس لئے میں اپنے آقا کی خدمت میں آ کر رو رہا ہوں)۔

☆ بات یہ ہے کہ جب کوئی کامل اس دنیا سے گزر جاتا ہے تو عوام یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بزرگ دنیا سے نابود ہو گئے، حالاں کہ واقعہ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس موت کے بعد اس کامل کا وجود عرض و جوہر کے مرکب سے نکل کر سرتاپا جوہر ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ اپنے کمال میں اور قوی تر ہو جاتا ہے"

(فیوض الحرمین (اردو) صفحہ 144، از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، مطبوعہ دارالاشاعت، کراچی 1414ھ)

☆ ابوسنان کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میں ان لوگوں میں تھا جنھوں نے ثابت (بنانی) کو دفن کیا، دفن کرتے ہوئے لحد کی ایک اینٹ گر گئی تو میں نے دیکھا کہ وہ (بعد تدفین قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔" (فضائلِ نماز صفحہ 67، از شیخ محمد زکریا)

☆ "یہی نہیں کہ برزخ والے دنیا کے لوگوں کے کسی عمل کی اپنے تک پہنچنے کی تصدیق ہی کر دیتے ہیں بلکہ دنیا و برزخ کا رشتہ ایسا قائم ہے کہ برزخ والے دنیا والوں کو واقعات کی نشاندہی کے ساتھ ان کے بارہ میں ہدایات بھی دیتے ہیں کہ تم ایسا کرو......"

(عالم برزخ، صفحہ 34)

☆ "حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کسی صحابی نے اپنا خیمہ ایک قبر پر لگا لیا اور ان کو معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے، سو اس میں ایک آدمی معلوم ہوا جو (تَبَارَکَ الَّذِی بِیَدِہِ الْمُلْکُ)

پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ اس کو ختم کیا۔ وہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور (اس واقعہ کی) آپ کو خبر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سورت حفاظت کرنے والی ہے، یہ سورت نجات دینے والی ہے، یہی مردہ کو عذاب الٰہی سے (جو کہ قبر میں ہوتا ہے) نجات دیتی ہے، روایت کیا اس کو ترمذی نے۔ مشکوٰۃ صفحہ 480...... ف حال کشف القبور، کشف القبور کبھی بلا قصد واکتساب ہوتا ہے جیسے ان صحابی کو ہوا اسی لئے اس کو حال میں داخل کیا گیا اور کبھی کسب وریاضت سے ہوتا ہے، بہر حال حدیث سے کشف القبور کا وقوع معلوم ہوا۔

ف متفرقات فیض باطنی از اہل قبور: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن مجید سننا موجب نفع باطنی ہے اور یہ نفع ان اصحابی کو بواسطہ صاحب قبر کے پہنچا، اس سے اہل قبور کے فیوض کا اثبات ہوتا ہے۔ ''

(التکشف ،صفحہ 664،از مولانا اشرف علی تھانوی)

☆ ''اہل اللہ کے تبرکات میں اثر ہوتا ہے اور صحبت میں اس سے زیادہ اثر ہوتا ہے بزرگوں کی صحبت وزیارت بڑی چیز ہے، ان کا تو تصور بھی نافع ہے اور یہی اصل ہے تبرکات کی کیوں کہ ان کی چیزوں کو دیکھ کر ان کی یاد تازہ ہوتی ہے اور ان کی یاد سے دل میں نور آتا ہے، حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا ہوتا ہے۔'' (کمالات اشرفیہ،صفحہ 68،مولانا اشرف علی تھانوی)

☆ ''مرنے کے بعد اکثر فقراء کا تو نام بھی باقی رہتا ہے کہ ان کی جوتیاں تک آج سر پر رکھی جاتی ہیں بخلاف بادشاہوں کے کہ ان کی کھوپڑیاں بھی ماری ماری پھرتی ہیں غرض ان کی تو کھوپڑی تک کا بھی احترام نہیں ہوتا بخلاف اہل اللہ کے کہ ان کی جوتیاں تک محترم ہیں۔

☆ '' حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب '' انفاس العارفین'' مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی 1917ء، مشتمل بر حالات وواقعات حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ (والدِ گرامی حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ) میں لکھتے ہیں:

(ترجمہ): حضرت شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں، میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کے مزار انور کی زیارت کیلئے گیا، اس خیال سے کہ مجھے اپنی خطا کار آنکھوں اور آلودہ بدن کو اس پاک جگہ میں نہیں لے جانا چاہیے، ان کے مزار کے قریب (کچھ فاصلے پر) ایک چبوترہ پر کھڑا ہو گیا۔ اس جگہ ان کی روح ظاہر ہوئی اور مجھے فرمایا کہ آگے آجاؤ، میں (حکم کی تعمیل میں) دو تین قدم آگے بڑھ گیا، اس وقت میں نے دیکھا کہ چار فرشتے ایک تخت آسمان سے ان (خواجہ قطب الدین صاحب) کی قبر کے پاس اتار کر لائے، معلوم ہوا کہ اس تخت پر حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند تھے، دونوں بزرگوں نے آپس میں راز ونیاز کی باتیں کیں جو (مجھے) سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ بعد

ازاں فرشتے وہ تخت اٹھا کر لے گئے، خواجہ قطب الدین نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا آگے آ جاؤ، میں دو تین قدم اور بڑھا، اسی طرح وہ آگے بڑھنے کو فرماتے رہے اور میں قدرے بڑھتا رہا، یہاں تک کہ ان کے بہت قریب ہو گیا۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ شعر کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا کہ شعر ایک کلام ہے اس میں جو اچھا ہے وہ خوب ہے اور جو اس میں بُرا ہے، وہ خراب ہے۔ حضرت نے فرمایا، بارک اللہ (اللہ تمہیں برکت دے)۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ اچھی آواز کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے، دیتا ہے۔ حضرت نے فرمایا بارک اللہ۔ پھر فرمایا اگر یہ دونوں (اچھا کلام اور اچھی آواز) جمع ہو جائیں، تب تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا یہ تو نور پر نور ہے، اللہ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے۔ فرمایا، بارک اللہ جو پتھ ہم سماع کرتے تھے وہ اس سے زیادہ نہیں تھا (یعنی اچھی آواز میں اچھا کلام سن لیا کرتے تھے)، تم بھی کبھی کبھی ایک دو شعر سن لیا کرو۔ میں نے عرض کی کہ خواجہ نقشبند کے ہوتے ہوئے آپ نے یہ بات کیوں نہ فرمادی؟ حضرت نے ان دو لفظوں میں سے ایک فرمایا کہ (خواجہ نقشبند کے سامنے کہنے میں) ادب نہیں تھا یا مصلحت نہیں تھی۔

(شاہ عبدالرحیم) فرماتے تھے، چوں کہ اس واقعہ کو مدت ہو گئی ہے اس لئے (ادب یا مصلحت میں سے) کون سا لفظ (خواجہ صاحب نے فرمایا) تھا، ذہن سے نکل گیا ہے۔ فرماتے تھے پھر ایک مرتبہ (حضرت خواجہ قطب صاحب کے) مزار شریف کی زیارت کو گیا، ان کی روح ظاہر ہوئی اور (مجھ سے) فرمایا کہ تمہارے ہاں ایک فرزند پیدا ہوگا، اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا، چونکہ میری بیوی سن ایاس (ناامیدی کی عمر) کو پہنچ چکی تھی، میں نے گمان کیا کہ (خواجہ صاحب کے ارشاد سے) مراد، پوتا ہوگا۔ خواجہ صاحب میرے اس خیال سے آگاہ ہو گئے، فرمایا (جو تم گمان کر رہے ہو) میری مراد یہ نہیں، یہ بیٹا تیری صلب (پشت) سے ہوگا یعنی تمہارا ہی بیٹا ہوگا۔ ایک مدت بعد دوسری شادی کا خیال پیدا ہوا اور کاتب الحروف (اس تحریر کا لکھنے والا) فقیر شاہ ولی اللہ پیدا ہوا۔ شروع میں (میری پیدائش کے وقت) یہ واقعہ میرے والد حضرت شاہ عبدالرحیم کو یاد نہ رہا تھا، اس لئے انہوں نے میرا نام ولی اللہ رکھ دیا، پھر مدت کے بعد انہیں یاد آیا تو میرا دوسرا نام انہوں نے قطب الدین احمد رکھا فرماتے تھے کہ اکبر آباد (آگرہ) میں مرزا محمد زاہد کے درس سے واپس آتے ہوئے ایک لمبی گلی آ گئی، میں اس وقت شیخ سعدی کے اشعار پڑھ رہا تھا اور ذوق ولطف پا رہا تھا۔ (اشعار کا ترجمہ) ''اللہ کی یاد کے سوا جو کچھ کیا ہے، عمر ضائع کی ہے۔'' ''عشق کے راز کو سمجھنے کے سوا جو پڑھا ہے، وہ بے کار ہے۔''

''سعدی اپنے دل کی تختی کو حق کے نقش کے سوا ہر شے سے صاف کردے۔'' وہ علم جو راہِ حق کی رہ نمائی نہ کرے وہ جہالت ہے۔ چوتھا مصرع ''علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است'' میرے ذہن سے نکل گیا، جس کی وجہ سے میرے دل میں بے چینی اور بے آرامی پیدا ہوگئی۔ اچانک میری دائیں جانب سے دو زلفوں والا، فقیری وضع والا، ملیح چہرہ مرد آیا اور (میرے ذہن سے نکل جانے والا چوتھا مصرع) اس نے کہا ''علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است'' میں نے کہا اللہ تمہیں جزا دے بہت اچھی جزا کہ تم نے میرے دل سے بڑے خلجان واضطراب کو دور کر دیا۔ پھر میں نے اس مہربان کی خدمت میں پان کی دو گلوریاں پیش کریں تو وہ مسکرا دیا اور کہا کہ کیا یہ (بھولا ہوا مصرع) یاد دلانے کا اجر ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں، مگر یہ شکرانہ ہے۔ اس نے کہا کہ میں نہیں کھاتا۔ میں نے کہا کہ پان نہ کھانے سے احتراز شریعت بتاتی ہے یا طریقت؟ ہو سکے تو مجھے بھی بتائیں تاکہ میں بھی احتراز کروں۔ اس نے کہا یہ بات نہیں ہے۔ (نہ شریعت منع کرتی ہے نہ طریقت) لیکن میں نہیں کھاتا۔ پھر فرمایا مجھے جلدی جانا چاہیے۔ میں نے کہا کہ میں بھی جلد چلوں گا۔ اس نے کہا کہ میں بہت جلد جانا چاہتا ہوں، پس اس نے قدم اٹھایا اور گلی کے آخر پر جا رکھا، میں نے جان لیا کہ روح مجسم ہے۔ (پان نہ کھانے کی وجہ بھی یہی تھی)۔ میں پکار اٹھا کہ اپنے نام سے تو آگاہ کردیجئے تاکہ (ایصالِ ثواب) کیلئے فاتحہ پڑھا کروں گا۔ اس نے کہا (جس کا تم کلام پڑھ رہے تھے وہ) سعدی یہی فقیر ہے (یعنی میں ہی شیخ سعدیؔ ہوں)...... (شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ) اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے ان دوست احباب سے سنا ہے جو اس واقعہ کے وقت حاضر تھے کہ (میرے والد) حضرت (شاہ عبدالرحیم) قصبہ ڈاسنہ میں مخدوم شیخ اَلہ دِیا کی زیارت کیلئے ان کے مزار پر گئے تھے اور رات کا وقت تھا، اس جگہ آپ نے فرمایا کہ (صاحبِ مزار) مخدوم صاحب ہماری ضیافت فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ کھا کر جائیں، چنانچہ وہاں کچھ دیر ٹھہرے یہاں تک کہ لوگوں کا نام ونشان نہ رہا، (یعنی آنے والے سب چلے گئے) اور والد صاحب کے ساتھیوں پر ملال طاری ہوگیا (کیوں کہ دیر ہو رہی تھی اور سناٹا چھا گیا تھا) اچانک اس وقت ایک خاتون آئی جس کے سر پر ایک تھال تھا جس میں میٹھے چاول و کھانا تھا۔ اس نے کہا میں نے نذر مانی تھی کہ جس وقت میرا شوہر (سفر سے واپس گھر) آئے گا، میں یہ کھانا پکا کر حضرت مخدوم اَلہ دِیا کی درگاہ میں بیٹھنے والوں کو پہنچاؤں گی۔ اسی وقت میرا شوہر آیا ہے، سو میں نے نذر پوری کی ہے، میری خواہش تھی کہ اس وقت درگاہ میں کوئی موجود ہوتا کہ وہ یہ کھانا کھائے (حضرت اور ان کے احباب نے وہ کھانا کھایا)۔

حضرات بی بی پاک داماںؒ......؟

مشہور ہے کہ یہ بیبیاں جن کی تعداد چھ (6) ہے۔ان میں سے ایک بی بی (حاج) حضرت علیؓ کی صاحبزادی تھی۔ جبکہ باقی پانچ (1) حضرت بی بی تاج (2) حضرت بی بی حور (3) حضرت بی بی نور (4) حضرت بی بی گوہر (5) حضرت بی بی شہباز، حضرت علیؓ کے بھائی حضرت عقیلؓ کی صاحبزادیاں تھیں۔

☆ ایک روایت کے مطابق جب حضرت امام حسینؓ مدینہ منورہ سے کوفہ روانہ ہوئے تو یہ پاک بیبیاں بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ 9 محرم الحرام کو آپ نے ایمائے باطنی مرتضوی کے ان چھ بیبیوں کو ارشاد فرمایا کہ وہ یہاں سے چلی جاویں۔حضرات بیبیوں نے عرض کی کہ یا اخی ہم آپ کو اس حال میں چھوڑ کر کہاں جاویں گے۔آپ نے فرمایا ''اے نور چشماں میں مجبور ہوں۔ حکمِ مرتضوی ایسا ہی ہے۔مراقبہ کر کے دیکھ لو۔حضرات بیبیوں نے عرض کی اچھا ہم تابعدار ہیں جہاں حکم ہو چلے جاویں گے۔آپ نے فرمایا ہند جانے کا ارشاد ہے پھر حضرات بیبیوں نے عرض کی کہ ہمارے دونوں فرزند آپ کے پاس رہیں تا کہ آپ کے قدموں میں شہادت پائیں۔

☆ تحقیقاتِ چشتی کے مطابق ان بیبیوں کی تعداد چھ (6) ہے۔ایک کا نام حاج تھا جو حضرت علیؓ کی صاحبزادی تھیں اور پانچ بیبیاں حضرت علیؓ کے بھائی حضرت عقیلؓ کی صاحبزادیاں تھیں۔

☆ ایک روایت کے مطابق یہ بیبیاں حضرت علیؓ کے بیٹے حضرت عقیلؓ کی بیبیاں ہیں (نوٹ: حضرت علیؓ کے کسی بیٹے کا نام عقیل نہ ہے۔البتہ بھائی کا نام ہے) یہ تجرید و تفرید میں یگانہ وقت تھیں۔اور زہد و تقویٰ میں فرو صیام دوام رکھتیں اور کبھی مہینے کے بعد اور کبھی پندرہ دن کے بعد کھانا کھاتیں۔ جب واقعہ کربلا حضرت امام حسینؓ کو درپیش ہوا تو یہ حضرات بیبیاں شام میں تھیں۔شام یزید کا دارالخلافہ تھا۔آپ اس واقعہ کی خبر ہوتے ہی کربلا کو آئیں مگر اس وقت تک یہ واقعہ پیش آ چکا تھا۔یعنی سید الشہداء شہادت پا چکے تھے۔یہ حال دیکھ کر آپ حیران ہوئیں کہ اب کدھر جائیں بالاخر ایمائے غیب سے ہندوستان کو روانہ ہوئیں۔

☆ رسالہ تحفۃ الواصلین میں تحریر ہے کہ یہ بیبیاں عالم طیر تھیں۔(یعنی اڑنے کی

کرامت رکھتی تھیں) اپنے اصحاب اور خدام کے ساتھ ہندوستان پہنچ کر شہر لاہور آئیں اور جس جگہ اب مزارات ہیں وہاں فروکش ہوئیں اور کچھ عرصہ وہیں قیام پذیر رہیں۔ ان کی پاکیزہ انفاس کی برکت سے بہت سی خلقت مشرف با اسلام اور مرید ہوئی۔

☆ تاریخِ جلیلہ میں پیر غلام دستگیر نامی کے مطابق حضرت سید احمد توختہ جب ترمذ سے کیچ مکران پہنچے تو اُن کے ہمراہ ان کی دو صاحبزادیاں بی بی حاج اور بی بی تاج تھیں بی بی حاج کا نکاح آپ نے شہزادہ مکران سلطان بہاءالدین (خلف سلطان قطب الدین) سے کردیا۔ اس کام سے فارغ ہوکر آپ لاہور آگئے۔ آپ مکران میں چند سال قیام پذیر رہے ہوں گے؟ شہنشاہ مکران نے آپ کی علمی فضیلت اور خاندانی بزرگی کی وجہ سے آپ سے رشتہ لینے کا سوال کیا ہوگا؟ اس وقت بی بی حاج کی عمر سترہ یا اٹھارہ (17-18) سال ہوگی؟

☆ مورخینِ لاہور نے لکھا ہے کہ اس بی بی کے بطن سے سلطان حمید الدین حاکم پیدا ہوئے اور ابھی وہ تین سال ہی کے تھے کہ مکران میں بی بی حاج کا وصال ہوگیا۔ لیکن آپ کو لاہور میں دفن کیا جانا بتایا جاتا ہے اور لاہور کے محلّہ چلہ بیبیاں کی آپ سرتاج بیان کی جاتیں ہیں۔ محلّہ چلہ بیبیاں اندرون اکبری دروازہ لکڑ منڈی کے متصل واقع ہے۔

☆ حضرات بیبیاں کس سال کس مہینے اور کس دن لاہور میں تشریف لائیں اس بارے میں تاریخ کی کتابیں خاموش نظر آتی ہیں۔ تحفۃ الواصلین میں یہ مرقوم ہے کہ سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ جب لاہور تشریف لائے اور شہر سے باہر قیام پذیر ہوئے تو ہر ہفتے حضرات بی بی پاکدامناں" کے مزارات پر تشریف لاتے تو بہت دور بیٹھ کر متوجہ ہوتے اور لحاظ وادب کی وجہ سے مزارات کے نزدیک نہ جاتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ کی لاہور تشریف آوری سے قبل یہاں حضرات بیبیوں کے مزارات موجود تھے۔ تحفہ احمد یہ اور تذکرہ قطب العالم (تالیف حضرت شیخ ابوبکر جمال الدین برادر وخلیفہ حضرت عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی لاہوریؒ) وغیرہ سے واضح ہے کہ بہت سے اولیاء کرام نے اس دربارِ عالی سے فیض باطن حاصل کیا ہے اور تا حال فیضِ عام جاری ہے اور انشاء اللہ جاری رہے گا۔

☆ حضرات بیبیاں جس وقت لاہور میں تشریف لائیں اُس وقت لاہور میں ہندو ''راجپوت'' راجگان کی حکومت تھی اور یہاں موجودہ خانقاہ کی جگہ ایک ٹیلہ تھا۔ اس پر قیام

پذیر ہوئیں۔ اس زمانے میں اس مقام ... لیعنی راجوں کی بستی تھی۔
جب حضرات بیبیاں یہاں پہنچیں اور ہندو راجاؤں ... سرد ہوئے اور بتوں میں
فتور وخلل برپا ہوا۔ تو انہوں نے اس کی وجہ دریافت کی۔ سب نے سوچ وبچار کے بعد یہی کہا
کہ یہاں کوئی عرب ترک اولادِ رسول آئے ہیں۔ یہ ان کی برکت کا اثر ہے تو راجاؤں نے
حضرات بیبیوں کو طلب کرنے کے لئے ملازم بھیجے۔ اس امر ... بیبیاں ... ان ہوئیں کہ
اے خدا ہم ستم رسیدہ ہیں ایک تو واقعہ کربلا اور ... ملک ... کوئی ہماری زبان بھی
نہیں سمجھ سکتا۔ دوسرا ہم نامحرم مردوں کے سامنے پیش نہیں ہو سکتے۔ اس وجہ سے آپ
راجاؤں کے پاس تشریف نہ لے گئیں۔ جس وقت راجہ کو یہ خبر ہوئی کہ آپ تشریف نہیں
لائیں تو اس وقت کا راجپوت راجہ جس کا نام برماشری تھا اور بعض نے مہابرن تحریر کیا ہے نے
اپنے ولی عہد جس کا نام کنور بکرماسہائے تھا کو بیبیوں کے پاس بھیجا اور کہا کہ یا تو اُن کو اپنے
ہمراہ لے آنا یا پھر اپنی حدود سے نکال آنا۔

☆ ایک روایت کے مطابق جب بی بی صاحبان لاہور تشریف لائیں تھیں
تو اسوقت سات سو چار (704) اشخاص ولی اللہ حافظِ قرآن بزرگ آپ کے ہمراہ
تھے۔ جب ولی عہد بکرماسہائے حضرات بیبیوں کے پاس آیا اور آپ کو اپنے والد راجپوت
راجہ کا حکم سنایا تو آپ نے پہلے تو کنور بکرماسہائے کی منت سماجت کی اور فرمایا کہ ہم غریب
مسافر ستم رسیدہ اور بے خانماں ظلم کشیدہ از حد بے کس ہیں۔ خدا کے واسطے ہمیں تکلیف نہ دو
اور اگر تم ہمارے یہاں رہنے سے ناراض ہو تو ہم خود یہاں سے چلی جاتی ہیں۔ مگر ولی عہد
نے کہا میں مجبور ہوں اور راجہ صاحب کے حکم کے مطابق آپ کو ان کے پاس لے جانے پر
مامور ہوں۔ آخر بی بی صاحبہ کلاں نے ولی عہد کو اپنے پاس طلب کیا اور ایک نظر توجہ سے اس
راجپوت ولی عہد کی طرف دیکھا جس سے وہ فوراً بے ہوش ہو گیا۔ جس وقت اسے ہوش آیا تو
خوب رویا اور آپ کے قدم مبارک پر گر کر درخواست تعلیم وتلقین دینِ اسلام کی اور صدقِ دل
سے مسلمان ہو گیا۔ جس وقت اس واقعہ کی خبر راجہ کو پہنچی تو اسے بہت تشویش ہوئی اور پھر اس
واقعہ کی خبر جنگل میں آگ کی طرح شہر بھر میں پھیل گئی۔ تمام ہندوؤں نے شورش مچادی۔
جس سے حضرات بی بی صاحبان بہت خائف ہوئیں ... جناب الٰہی میں عرض کی کہ یا اللہ
ابھی خوف ... لوں سے نہیں گیا کہ ... ہو گیا ہے۔ ہم چاہتی
ہیں کہ ہم پس پردہ ہو جاویں۔ یاالٰہی زمین ... آپ کی دعا قبول

ہوئی اور زمین باتزئین شگاف ہوئی اور تمام بیبیاں اس میں سما گئیں۔

☆ پوشیدہ ہونے سے پہلے بہت سے اشخاص ہمراہیان کو آپ نے رخصت عنایت فرمائی اور فرمایا کہ اپنے اپنے وطنوں کو چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ سب چلے گئے۔ صرف چار حافظ جن کے اسم شریف درج ذیل ہیں

I- حضرت ابوالفتح II- حضرت ابوالفضل III- حضرت ابوالکلام IV- حضرت عبداللہ

آپ کی خدمت میں باقی رہے۔ وہ بھی زمین میں سما گئے۔

تحقیقات چشتی کے مطابق ان کی قبور حضرت بی بی تنوریؒ کے غرب رویہ موجود ہیں۔

☆ جب ولی عہد نے یہ کرامت دیکھی تو صدقِ دل سے فقیر ہوگیا اور مجاور ہو بیٹھا۔ اس وقت حضرات بیبیوں کے دوپٹوں کے پلے زمین سے باہر نظر آتے تھے۔ اس نے انہی نشانیوں پر قبور بنائیں۔ پھر چند روز وہ پلے نظر آتے رہے پھر وہ بھی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

☆ جب کفارِ لاہور نے یہ کرامت دیکھی تو حیران رہ گئے اور ان میں سے بہت سے مسلمان ہو گئے۔ مشہور ہے کہ جب وہ راجپوت ولی عہد کنور بکرما سہائے مشرف بااسلام ہوا تو بی بی صاحبان نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ اور پھر وہی عبداللہ بابا خاکی کے نام سے معروف ہوا۔ بعض روایات میں ان کا نام جمال رکھا گیا تھا۔

☆ تحفۃ الواصلین میں مذکور ہے کہ اس دور کے نجومیوں میں سے ایک نے حضرت بی بی کی خدمت میں حاضر ہو کر دعویٰ کیا کہ میں غیب کا علم جانتا ہوں اور گذری ہوئی باتوں اور ہونے والے امور سے باخبر ہوں۔ اس نجومی نے بی بی صاحبہ کے خادموں سے جھگڑا شروع کر دیا۔ جب آپ نے یہ خبر سنی تو کھانا تیار کیا اور مسافروں اور مسکینوں کو اکٹھا کیا اور ایک بہت بڑی مجلس اکٹھی کی۔ پھر ہر ایک کے سامنے انواع واقسام کے کھانے رکھے۔ اور نجومی کے آگے طعام کا ایک طبق رکھوایا جس کے نیچے کھانا تھا اور اوپر خشک روٹی کے اوپر کھچڑی خام اور خشک تھی۔ اس سے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اس کھچڑی کے نیچے پکا ہوا کھانا بھی ہے۔ تمام لوگ کھانے میں مصروف ہو گئے۔ اور نجومی ناپختہ کھانا دیکھ کر حیران ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے بھی پکا ہوا کھانا دو۔ بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ خشک کھچڑی طبق سے الگ کر دو اور جو کھانا نیچے ہے اسے کھلاؤ اور اس سے کہہ دو کہ جب تجھے اتنا معلوم نہیں کہ کھچڑی کے نیچے کیا

ہے تو غیب دانی کا دعویٰ نہ کر یہ خاصہ خدا ہے اور وہ اپنے خاص بندوں کو عطا کرتا ہے۔ پھر وہ نجومی شرمندہ ہوا اور مرید بن گیا۔

☆ نقوش لاہور نمبر میں حضرات بیبیوں کے زمین میں سما جانیوالے واقعہ پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے اور یہ کہ آپ کی قبور لاہور میں ہیں۔۔ یہ درست ہے کہ گڑھی شاہو لاہور میں بیبیاں صاحبہ کے نام سے ایک بہت قدیم قبرستان موجود ہے۔ شہنشاہِ ہند شاہجہان کا فرزند شہزادہ دارہ شکوہ بھی سکینۃ الاولیاء میں بی بی حاجؒ اور بی بی تاجؒ کے قبرستان کا ذکر کرتا ہے۔ اور وہ اس کا جائے وقوع شہر کے جنوب میں موضع بھیکو وال کے نزدیک بتاتا ہے اور تحریر کرتا ہے کہ اس قبرستان میں بیر کا ایک درخت تھا جس کے نیچے حضرت میاں میرؒ بیٹھا کرتے تھے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آج سے تین سو 300 سال بیشتر بھی یہ مزار شریف حضرت بی بی حاجؒ اور حضرت بی بی تاجؒ یا بی بی صاحبان کے نام سے مشہور تھا۔

حضرات بی بی پاک دامناںؒ کے مزار شریف کیلئے شملہ پہاڑی او بوھڑ والا چوک (نزد ریلوے اسٹیشن) کے تقریباً وسط میں ڈسٹرکٹ پولیس لائنز کے بلمقابل بی بی پاک دامناں شاپ سے چند قدم کے فاصلے پر ایک تنگ گلی مزار شریف تک جاتی ہے۔ شروع میں بلند وسیع ہال ہے۔ دائیں جانب تقسیم لنگر کی جگہ ہے بائیں جانب ایک لائن میں پانچ قبریں ہیں سامنے شفاخانہ بی بی پاک دامناںؒ ہے۔ شفاخانہ کے ساتھ عورتوں کے قیام کی باپردہ جگہ ہے۔ صحن کے وسط میں دور مغلیہ کی تعمیر شدہ ایک مختصر سی مسجد ہے مسجد کے وسطی دروازے کے سامنے دو قبریں حضرت عبداللہ اور آپ کی اہلیہ کی ہیں۔ مسجد کے عقب میں چند قبریں ہیں مسجد سے آگے وسط میں تین قبریں ہیں حضرت بی بی حور حضرت بی بی تاج اور حضرت بی بی نور سے منسوب ہیں اس سے آگے تقریباً تین فٹ نیچے صحن میں دو قبریں حضرت بی بی گوہر اور حضرت بی بی شہباز سے منسوب ہیں۔

دائیں طرف چراغ دان ہے جہاں لوگ چراغ روشن کرتے ہیں جبکہ بائیں جانب ایک حجرے میں حضرت جلال الدین بخاریؒ برادر حقیقی حضرت موج دریا بخاریؒ کا مزار ہے مزار کے بائیں جانب دو قبریں اور ہیں۔ آخر میں صحن کے وسط میں مزار شریف حضرت بی بی حاج (حضرت رقیہ) سے منسوب ہے۔ یہاں منتوں کے جو انداز دیکھنے میں آئے راقم نے اس سے قبل کسی مزار پر نہ دیکھے (تفصیل راقم کی کتاب "**لاھور جل رھا ھے**" میں

مزار حضرات بی بی پاک دامناںؒ محکمہ اوقاف کے زیر انتظام ہے۔

حضرت عبداللہؒ

☆ حضرات بی بی پاکدامناںؒ جس وقت لاہور تشریف لائیں تو اس وقت لاہور پر ہندو، راجپوت خاندان کے ایک راجہ برماشری یا مہابرن کی حکومت تھی۔ اور ولی عہد اس کا کنور بکرما سہائے (کنور راؤ یا رانا خاندان کا ولی عہد) جسے راجہ نے حضرات بیبیوں کو اپنے پاس لانے پر مامور کیا تھا۔ جیسا کہ پہلے تحریر کیا جاچکا ہے کہ کنور بکرما سہائے پاک بی بی کی ایک نظر توجہ سے نہ صرف بیہوش ہوا بلکہ صدقِ دل سے مسلمان ہو گیا۔ اور جب کنور بکرما سہائے مسلمان ہوا تو بی بی صاحبان نے اس کا نام عبداللہ رکھا بعض روایتوں میں آپ کا نام محمد جمال درج ہے اور آپ حضرت بابا خاکی کے نام سے مشہور ہوئے۔ قبول اسلام سے آپ کے والد حاکم راجہ آپ سے سخت ناراض ہوئے اور اگرچہ آپ سے ظاہری محبت بھی نہیں کرتے تھے۔ مگر اس نے کوئی انتہائی قدم آپ کے خلاف نہ اٹھایا۔ وہ آپ سے بہت محبت کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قبولِ اسلام کے باوجود بھی اس نے یہ زمین آپ کے حصہ کی آپ کو دیدی۔

☆ پروفیسر خاکی بیبیاں پاک دامناں میں لکھتے ہیں کہ کنور بکرما سہائے اس ویران جگہ پر بیٹھا رہتا جہاں بیبیاں زمین میں سما گئیں تھیں اس مقام پر جھاڑو دیتا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا۔ اس نے بیبیوں کی قبروں کے نشانات بنائے اور کہا جاتا ہے کہ بڑی بی بی صاحبہ آپ سے گفتگو کیا کرتی تھیں اور کنور کو زمین میں سے آواز آتی تھی اور جو بات آپ پوچھتے تھے اس کا جواب مل جاتا تھا۔

اولیائے لاہور میں محمد لطیف کے مطابق سلطان محمود غزنوی نے خانقاہ میں چند قبریں اور چند دالان تعمیر کرائے پھر جلال الدین اکبر نے بھی یہاں بہت سی عمارات تعمیر کرائیں۔

☆ حضرات بیبیاں کے زمین میں سما جانے کے بعد آپ نے فقیری اختیار کر لی اور مجاور ہو بیٹھے اور پھر سب بیبیوں کی قبور بھی آپ نے ہی تعمیر کروائیں۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد ہندو جاٹ دربار حضرات بی بی پاک دامناںؒ حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک شخص جس کا نام بابو بیان کیا جاتا ہے کی بیٹی لولی تھی اس نے آپ سے عرض کی کہ وہ اپنی دختر

ں آپ سے کرنا چاہتا ہے۔ مگر آپ نے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر تمام ہندو جاٹوں نے آپ سے اس رشتہ کو قبول کرنے کی منت سماجت کی۔ آپ نے جب ان کی ضد دیکھی تو کہا کہ میں اپنی سرکار میں عرض کرلوں۔ اگر مجھے حکم ملا تو میں شادی کرلوں گا اور پھر آپ مزار شریف حضرت گوہر بارؒ پر حاضر ہوئے اور عرض کی۔ پھر الہام ہوا کہ بیشک نکاح کرلے۔ چنانچہ آپ نے دختر بابو سے نکاح کرلیا۔ پھر آپ لولی بیوی کو حضرات کے مزار مبارک پر لے آئے۔ اور عرض کی کہ یا حضرت اب یہ کنیز آپ کی ہوئی اور دعا کی کہ اگر اس کے ہاتھ پاؤں اچھے ہو جاویں تو خدمت میں از دل و جان مصروف ہو۔ دعا کے بعد آپؒ کی بیوی کے ہاتھ پاؤں بالکل ٹھیک ٹھاک ہو گئے اور پھر اس کا حُسن ایسا چمکا کہ غیرت دہ چہار ہو گئی۔ جب ان ہندو جاٹوں نے یہ کرامت دیکھی تو سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

☆ ایک روایت کے مطابق اسلام قبول کرنے والے ان افراد کی تعداد چھ سے سات (6-7) ہزار تھی۔ اور وہ تمام ایک ہی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اور جو زمین حضرت عبداللہ المعروف خاکی بابا کو آپ کے والد نے دی تھی۔ وہ مشرق وجنوب رویہ اس خانقاہ کی تھی۔ اس میں سے کچھ زمین آپ نے اس قبیلے کے لوگوں کو دے دی۔ چنانچہ جب تک ان کی اولاد رہی تب تک حضرت عبداللہ خاکیؒ کی اولاد اور وہ قبیلے والے باہم بطور برادری برتاؤ کرتے رہے۔ پھر ان میں سے اکثر لاولد رہنے لگے۔ حتیٰ کہ باعہد خان بہادر صرف شیخ عزیز اور شیخ دھاتو اور شیخ داؤدان کی اولاد میں سے باقی تھے۔ اب ان کی اولاد بالکل نہیں لیکن تحقیقات چشتی کے مطابق حضرت عبداللہ باباخاکی بعض کے مطابق محمد جمال کی اولاد اب تک (مراد زمانہ تحقیقات چشتی) مجاور خانقاہ عالی جاہ ہے اور راجپوت کہلاتی ہے۔ ان کی قبور ان کی خانقاہ کے گرد و نواح میں موجود ہیں۔

حضرت عبداللہؒ کا مزار شریف حضرات بی بی پاک دامناںؒ کے احاطہ مزار کے وسط میں دور مغلیہ کے تعمیر شدہ چھوٹی سی مسجد کے وسطی دروازے کے عین سامنے واقع ہے ساتھ ہی آپ کی اہلیہ کی قبر ہے دونوں قبروں پر نہ تو کوئی کتبہ ہے اور نہ ہی ان کے گرد جالی اور نہ ہی اُوپر چھت ہے۔ دائیں جانب دیوار پر آپؒ اور آپ کی اہلیہ کی قبور کا کتبہ ہے حضرت عبداللہ المعروف حضرت باباخاکی اور آپؒ کی اہلیہ کی قبور محکمہ اوقاف کی خصوصی توجہ کی طالب ہیں۔

حضرت میراں حسین زنجانیؒ

حضرت سید میراں حسین زنجانی کا تعلق خاندان سادات کے جدِ امجد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور حضرت فاطمہ الزہراؓ کے لختِ جگر حضرت امام حسینؓ سے ہے۔ آپ کے والدِ گرامی کا اسم شریف حضرت سید علی محمود اور والدہ کا نام حضرت مریم صغریٰ تھا۔ آپ کے والد اور والدہ دونوں خاندانِ سادات سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد بڑے متقی اور پرہیز گار تھے اور ہمیشہ یادِ الٰہی میں مشغول رہتے۔ حالانکہ زنجان کے ایک خاصے بڑے جاگیر دار تھے۔

☆ حضرت سید میراں حسین زنجانی کے والد بذرگوار کی عمر جب 27 برس کی ہوئی تو اسوقت آپ کے والد کو ایک رات خواب میں آپ کے مرشد کی طرف سے بشارت ہوئی کہ ''اے علی! اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے جو بیٹا عطا کرے گا وہ خاندانِ سادات کے جدِ امجد حضرت امام حسینؓ کے نقش قدم پر چل کر دنیا کے مال واسباب اور جاہ وجلال سے بے نیاز رہ کر دینِ اسلام کی خدمت کرے گا۔'' حضرت سید میراں حسین زنجانی 347 ھ میں 26 شعبان بوقت 10 بجے رات زنجان میں پیدا ہوئے۔ اس نسبت سے آپ کا نام حسین رکھا گیا۔ اور تاریخ میں آپ شیخ حسین زنجانی کے نام سے مشہور ہوئے۔

☆ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے مکان کے ساتھ مسجد سے حاصل کی۔ قرآن پاک کے علاوہ عربی، فارسی، اور حرف ونحو کی تعلیم بھی حاصل کی۔ پھر بعد ازاں آپ نے تفسیر، حدیث اور فقہ کی بنیادی تعلیم بھی حاصل کی۔ آپ کی طبیعت پر اوائل عمر ہی سے اللہ کی محبت کا جذبہ غالب تھا۔ بچپن ہی میں آپ زنجان کی آبادی سے باہر کھیتوں میں نکل جاتے اور مظاہرِ فطرت کا مشاہدہ کرتے اور با آواز بلند قرآنی آیات پڑھتے۔ عالمِ شباب میں آپ اپنے والدِ ماجد کے ساتھ زمینوں پر کاشت کا کام کاج کرتے۔ بالآخر دنیا کی رنگینیوں اور دلچسپیوں سے آپ کا دل اُچاٹ ہوتا گیا۔ اور اسرارِ ربانی کے حصول کا شوق دن بدن بڑھتا گیا۔ پھر حضرت ابوالفضل ختلی کی روحانیت کا چرچا سن کر ایک روز حضرت ابوالفضل ختلی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دستِ حق پر بیعت کی۔ حضرت ابوالفضل نے جب دیکھا کہ عظیم المرتبت مرید نے ظاہری وباطنی علوم میں کامل دسترست حاصل کرلی ہے اور آپ پر رحمتِ

خداوندی کا فضل مکمل ہو چکا ہے۔ تو آپ کے پیرومرشد نے آپ کو خرقہ ولایت عطا فرمایا اور فرمایا ''اے حسین! یہ خرقہ سرورِ کائنات رسول مقبولؐ نے حضرت علیؓ کو عطا فرمایا۔ انہوں نے خواجہ حسن بصری کو عطا فرمایا اور ان سے دست بدست مجھ تک پہنچا''۔

اجازتِ بیعت اور مسندِ ارشاد عطا فرماتے ہوئے آپ کے مرشد نے آپ کو اپنا عمامہ عطا فرمایا اور آخر میں آپ کے حق میں خلوص سے دعا فرمائی اور میراں کا خطاب دیا۔ جو رموزِ ولایت میں اعلیٰ درجہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

☆ خرقہ خلافت عطا فرمانے کے بعد آپ کے مرشد نے آپ کو ہندوستان جا کر تبلیغ اسلام کا حکم دیا اور آپ نے ہندوستان جانے کا ارادہ کیا۔ جب آپ کے دو چھوٹے بھائیوں کو معلوم ہوا کہ ہمارے بڑے بھائی حسین بحکم مرشد تبلیغ اسلام کے لئے ہندوستان جا رہے ہیں تو انہوں نے بھی ساتھ چلنے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ آپ کی زیرِ قیادت ایک چھوٹا سا قافلہ سفر کے لئے تیار ہوا۔ جس میں آپ کے بھائی حضرت سید یعقوب زنجانی اور حضرت موسیٰ زنجانی مع اہل وعیال شامل تھے۔ بحکم مرشد 385ھ کے آخر میں آپ نے اس تبلیغی سفر کا آغاز کیا۔ اور ایک قصبہ تونہ میں پہنچے۔ پھر قصبہ تونہ سے قزوین کا رخ کیا۔ قزوین سے روانہ ہوتے وقت آپ کے چھوٹے بھائی حضرت یعقوب زنجانی نے آپ کو مشورہ دیا کہ شہر رے کو بھی دیکھنا چاہئے، چنانچہ آپ نے شہر رے کا رخ کیا۔ جو اس دور میں ایک بارونق شہر تھا۔ شہر رے سے شہر سبزوار گئے۔ سبزوار سے ثمنان گئے اور وافطان شہر میں قیام کرتے ہوئے نیشاپور پہنچے۔ نیشاپور سے ہرات کا رخ کیا۔ اور طویل سفری صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے ہرات پہنچے۔ پھر اسماعیل خیل گئے جہاں وحشی قسم کے لوگ آباد تھے۔ پھر یہاں سے گاؤں کاکاخیل گئے۔ کاکاخیل کے لوگ حضرت خالد بن ولید کی اولاد سے تھے۔ کاکاخیل کے بعد ہزارہ گئے۔ پھر سفر جنجوعہ پر روانہ ہوئے۔ جنجوعہ سے تقریباً 300 میل دور دور ریگستان ہیں جو مغرب کی جانب واقع ہیں۔ ان کو صحرائے سیتان کہتے ہیں۔ یہاں سے مہمند پہنچے۔ پھر مہمند سے قصبہ چنہ اور پھر ہلمند روانہ ہوئے۔ ہلمند سے آگے کوہِ ہندوکش کی پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ کیونکہ ان پہاڑیوں کو براہِ راست عبور کرنا نہایت دشوار تھا۔ اسلئے آپ ان پہاڑیوں کا چکر کاٹ کر غزنی پہنچے۔ اس وقت سلطان محمود غزنوی ہندوستان پر حملہ کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ غزنی میں آپ نے محلہ دارالسلام میں سکونت

اختیار کی۔ غزنی سے آپ نے کابل رخ کیا۔ کابل سے جلال آباد روانہ ہوئے۔

☆ تحقیقاتِ چشتی کے مولف مولوی نور احمد چشتی تحریر کرتے ہیں کہ آپ سید یعقوب زنجانی کے ہمراہ لاہور تشریف لائے۔ آپ نے زندگی بھر کرامات کے اظہار سے بے حد اجتناب فرمایا لیکن پھر بھی غیر ارادی طور پر رحمتِ خداوندی سے کئی روحانی تصرفات اور چیدہ چیدہ لوگوں کے سامنے آپ کی کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ جن میں سے چند درجِ ذیل ہیں۔

☆ روایت ہے کہ خان باز خان کی ایک لڑکی آسیہ تھی جو جزام (کوڑھ) کے مرض میں مبتلا تھی۔ خان باز خان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی بیٹی کے لئے دعا کا کہا۔ آپ نے پانی دم کر کے دیا۔ اور فرمایا کہ اس پانی کو دوسرے پانی میں ملا کر اپنی بیٹی کو نہلاؤ۔ نہلانے کے بعد حاکم کی بیٹی ٹھیک ہوگئی۔ اور یوں آپ کی کرامت کی دھوم دور دور تک پھیل گئی۔

خان باز خان جو سلطان محمود غزنوی کی طرف سے اس علاقے کا حاکم تھا آپ کی روحانی شہرت کے بارے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پھر یہاں سے جلال آباد کا رخ کیا۔ جلال آباد سے پشاور آئے اور پھر پشاور سے مارگلہ پہنچے۔ مارگلہ میں بت پرست لوگ رہتے تھے۔ یہاں ایک جادوگر ''بدو'' کا بہت اثر تھا۔ جو جادو کے ذریعے اپنے منہ سے آگ نکالتا تھا۔ اور ''گوسائیں'' کے نام سے مشہور تھا۔ اور اسے اپنے جادو پر بڑا گھمنڈ تھا۔ جب گوسائیں نے آپ کی آمد اور دعوتِ توحید کا حال سنا تو اس نے آپ سے مقابلے کی ٹھانی۔ پھر گوسائیں نے اپنا کمال دکھایا۔ اس نے جادو کے ذریعے اپنے منہ سے آگ نکالنی شروع کردی۔ پھر آپ نے اللہ کا نام لے کر ایک پھونک ماری تو اس کے منہ سے آگ نکلنی بند ہوگئی۔ یہ دیکھ کر وہ آپ کے قدموں میں گر گیا اور ایمان لے آیا۔ گوسائیں کے قبول اسلام کے بعد اس کے بے شمار ساتھی بھی مسلمان ہوگئے۔

☆ مارگلہ سے آپ منزل بہ منزل ہوتے ہوئے گجرات شہر آئے۔ پھر گجرات سے گزرتے ہوئے گکھڑ آئے۔ گکھڑ شہر گوجرانوالہ اور وزیر آباد کے درمیان واقع ہے۔ اور آج کل ایک شہر کی حیثیت حاصل کر چکا ہے۔ گکھڑ سے آپ نے اپنی اصل منزل لاہور کا رخ کیا اور دریائے راوی کے مغربی کنارے پر پہنچے۔ شام کا وقت تھا۔ راوی طغیانی پر تھا۔ اسلئے آپ نے راوی کنارے ایک بڑے درخت کے نیچے ڈیرہ لگایا اور ایک شب وہاں گزاری۔ آپ کی لاہور آمد کے بارے میں مورخین کے آرائیں مختلف ہیں۔

☆ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کئی روز تک دو ہندوؤں کو روزانہ دعوت دیتے رہے ایک روز ان دونوں نے مشورہ کیا کہ یہ بڈھا روزانہ ہمیں تنگ کرنے آجاتا ہے اور اس نے ایک نئے دین کا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ کیوں نہ اس کا کام تمام کردیا جائے۔ اور ایک روز آپ کا تعاقب کرتے ہوئے آپ کی قیام گاہ تک آگئے۔ ابھی شام تھی۔ اسلئے رات ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ عشاء کے بعد آپ عبادت الٰہی میں مشغول تھے اور دروازہ کھلا ہوا تھا اچانک دونوں ہندو آپ کے کمرے میں آگئے اور حملہ آور ہوئے اور انہوں نے تیز چھروں سے آپ پر وار کرنا چاہا تو دونوں اندھے ہوگئے۔ چنانچہ اندھے ہوکر واپس لوٹنے لگے تو ٹھیک ہوگئے۔ پھر دوبارہ آپ پر وار کرنے لگے کہ پھر اندھے ہوگئے۔ اس طرح جب تیسری مرتبہ اندھے ہوکر ٹھیک ہوئے تو ان کا دل بیدار ہوگیا کہ یہ تو کوئی اللہ کا برگزیدہ بندہ ہے۔ اس کی دعوت سچی ہے۔ شاید ہم ہی جھوٹے ہیں۔ مگر آپ یادِ الٰہی میں مشغول تھے۔ پھر وہ دونوں آپ کے قدموں میں گر گئے اور مسلمان ہوگئے۔

☆ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کی قیام گاہ سے کچھ فاصلے پر ایک ہندو کاشتکار کے کھیت تھے۔ وہ صاحبِ اولاد تھا اور کھیتی باڑی سے اپنا ذریعہ معاش کماتا تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ اور وہ دمہ کا مریض تھا۔ جب اسے پتہ چلا کہ اس کی زمینوں کے ساتھ ایک درویش رہتا ہے تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی بیماری کے متعلق بیان کیا۔ اور یہ بھی بتایا کہ اس نے بے شمار طبیبوں سے علاج کروایا ہے مگر شفایابی نہیں ہوئی۔ آپ نے ہندو سے کہا تم دینِ اسلام قبول کرلو تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے تم تندرست ہوجاؤ گے۔ اس ہندو نے سوچا کہ میں دل سے مسلمان نہیں ہوتا۔ بظاہر کلمہ پڑھ لیتا ہوں تندرست ہوجاؤں تو بعد میں دیکھا جائے گا۔ چنانچہ وہ ہندو آپ کے کہنے پر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔ تو اس کی تکلیف فوراً جاتی رہی۔ جب وہ جانے لگا تو آپ نے فرمایا کہ سچے دل سے مسلمان رہو گے تو ہمیشہ کے لئے تمہاری بیماری ختم ہوجائے گی۔ اور اللہ کو دھوکہ دینے کی نیت ہے تو پھر اسی مرض میں مبتلا ہوجاؤ گے پھر اس نے آپ کے قدم پکڑ لئے اور صدقِ دل سے تائب ہوکر مسلمان ہوگیا۔ اور اپنے کھیتوں سے آپ کی خدمت میں سبزی و اجناس وغیرہ بھیجتا۔ اس کے مسلمان ہونے اور آپ کی خدمت میں اشیاء بھیجنے پر اس شخص کے بیٹے باپ سے ناراض رہنے لگے۔ پھر چند برس بعد وہ شخص دنیا فانی سے کوچ کر گیا۔ باپ کی وفات کے بعد بیٹوں نے آپ کو سبزی بھیجنا

بند کردی اور ان کے ذہن میں خیال آیا کہ ان کا باپ تو بیوقوف تھا۔ ان کا یہ خیال کرنا ہی تھا کہ فوراً ان کے کھیتوں کی ہری بھری فصل خشک ہوگئی۔ چنانچہ وہ تینوں بھائی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے کیے پر نادم ہوئے۔ آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی اور پھر سے ان کے کھیت ہرے بھرے ہوگئے۔ اور تینوں بھائی مسلمان ہوگئے اور آپ کی خدمت میں اپنے باپ کی طرح آخری دم تک ساتھ رہے۔

☆ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت یعقوب زنجانی آپ سے ملنے کی غرض سے آپ کے پاس تشریف لائے اگرچہ اکثر آپ کی حضرت یعقوب زنجانی سے ملاقات رہتی تھی۔ لیکن اس روز حضرت یعقوب زنجانی کافی دیر تک بیٹھے رہے اسی اثناء میں رات ہوئی۔ حضرت میراں حسین زنجانی چاہتے تھے کہ حضرت یعقوب کی مہمان نوازی کریں۔ لیکن آپ کے پاس اس وقت کوئی چیز میسر نہ تھی۔ دونوں بھائیوں نے مل کر نمازِ مغرب ادا کی۔ پھر کمرے میں بیٹھ گئے۔ آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ آج کچھ ہوتا تو میں بھائی حضرت یعقوب کو کھلاتا۔ دل میں خیال کا آنا ہی تھا کہ یکدم آپ کمرے سے باہر نکلے اچانک آپ نے دیکھا ایک نوجوان ہاتھ میں کھانا اُٹھائے کھڑا ہے اس نے آپ کو کھانا پکڑایا اور خود غائب ہوگیا۔ آپ معاملہ سمجھ گئے۔ پھر آپ نے کھانا حضرت یعقوب زنجانی کی خدمت میں پیش کیا۔ اور دونوں بھائیوں نے سیر ہوکر کھایا۔ مزید یہ کہ کھانا بالکل تازہ اور گرم تھا۔

☆ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کسی کام کی غرض سے دریائے راوی کے پار دوسرے کنارے پر جانا چاہتے تھے۔ مگر آپ کے پاس کرایہ نہ تھا۔ آپ نے کشتی کے ملاح جس کا نام سنتو رام تھا سے کہا کہ ہمیں کشتی میں بٹھا لو مگر ہمارے پاس کرایہ نہ ہے۔ سنتو رام نے کہا کہ جا بابا کام کر ہم تیرے جیسے لوگوں کو مفت دریا پار کروانے لگے تو کر لی کمائی۔ آپ نے فرمایا کہ رزق کا کارساز تو اللہ تعالیٰ ہے۔ حتیٰ کہ کشتی بھر گئی۔ اور ملاح کشتی لے کر دریا میں چل دیا۔ اور آپ کو کشتی سے اتار دیا۔ اور آپ واپس چل دیئے۔ دریا طغیانی میں تھا اور یکدم آندھی آگئی۔ پھر کشتی قابو سے باہر ہوگئی اور ڈوبنے لگی۔ سنتو رام کے دل میں آیا کہ کاش میں اس درویش کو کشتی میں بٹھا لیتا تو کشتی نہ ڈوبتی۔ حضرت میراں حسین زنجانی کا خیال آتے ہی ملاح سنتو رام نے دیکھا کہ آپ دریا میں ہیں اور کشتی کو کندھا دیے ہوئے ہیں۔ آخر آپ کی روحانی مدد سے کشتی ڈوبنے سے بچ گئی اور بحفاظت کنارے لگ گئی۔ اس وقت سے سنتو رام

آپ کی تلاش میں رہنے لگا۔ بالاخر ایک روز ملاح کی ملاقات آپ سے ہوگئی۔ اس نے اپنے کیئے پر آپ سے معافی مانگی اور مسلمان ہوگیا۔ حضرت میراں حسین زنجانی نے اس ملاح کا نام محمد زبیر رکھا۔

☆ قیامِ لاہور کے دوران ابتدا میں آپ نے کچھ عرصہ اس جگہ پر گزارا جہاں آجکل آپ کے نام کی کھوئی (چاہ) ہے۔ اس زمانے میں آپ زیادہ تر تبلیغ میں مصروف رہے۔ اور دن کا بیشتر حصہ لاہور شہر کے گلی کوچوں میں تبلیغ کرتے ہوئے گزارتے لیکن رات کو اکثر اپنی رہائش گاہ پر تشریف لے آتے کبھی کبھار آپ حضرت یعقوب زنجانی کے پاس بھی رات بسر کیا کرتے تھے۔ چاہ کے مقام پر کچھ عرصہ گزارنے کے بعد آپ اس جگہ پر رہائش پزیر ہوگئے جہاں پر آجکل آپ کا مزار اقدس واقع ہے۔ یہاں آپ نے ایک چھوٹا سا کچا کمرہ تعمیر کیا۔ جس کا دروازہ شمال رویہ تھا۔ یہ وہ جگہ ہے جو آجکل آپ کے گنبد کے پائنتی جانب اور جائے اعتکاف حضرت خواجہ معین الدین اجمیری چشتی کے غرب رویہ ہے اور بصورتِ صحن ہے۔ اس کمرے کے باہر شرق رویہ ایک جگہ آپ نے کھانا پکانے کے لئے ایک چولہا بنایا ہوا تھا۔ قیام لاہور کے دوران آپ نے عرصہ دراز اسی کمرے میں گزارا۔

☆ حضرت یعقوب زنجانی نے چونکہ ابتدائی ایام میں محنت مزدوری کا کام شروع کیا تھا اور وہ عیالدار تھے۔ اس لئے اکثر کچی اشیاء آپ کو دے دیا کرتے تھے۔ جنہیں آپ خود پکا لیتے تھے۔ بسا اوقات فاقے سے بھی شب و روز بسر ہوتے تھے۔ بعض اوقات خدا کی طرف سے آپ کو رزق پہنچ جاتا تھا۔ لیکن وقت گزارنے کے ساتھ ساتھ آپ کے عقیدت مندوں میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ تو آپکی قیام گاہ پر لنگر کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

حضرت سید میراں حسین زنجانی نے کل 44 سال لاہور میں قیام فرمایا۔ ایامِ آخر میں آپ سخت بیمار ہوئے اور 19 شعبان بوقت عصر 431ھ میں آپ کی روح جسدِ خاکی سے پرواز کر کے اپنے خالق حقیقی سے جاملی۔ آپ کے وصال کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ غسل اور کفن دینے کے بعد جب 20 شعبان صبح کے وقت آپ کا جنازہ شہر سے باہر لایا جارہا تھا تو عین اسوقت حضرت علی ہجویری لاہور میں داخل ہورہے تھے۔ جب حضرت داتا علی ہجویری نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کا جنازہ ہے تو لوگوں نے جواب دیا کہ یہ حضرت سید میراں حسین شاہ زنجانی کا جنازہ ہے۔ اسوقت حضرت علی ہجویری کو اپنے مرشد کا یہ حکم یاد

آیا کہ اے علی! تم لاہور جاؤ۔ جس کی تفصیل حضرت علی ہجویریؒ کے مضمون میں تحریر ہے۔
حضرت علی ہجویری نے لوگوں کو حکم دیا کہ میت کو کندھوں سے اتار کر زمین پر رکھا جائے۔ آپ کے کہنے پر لوگوں نے میت کو زمین پر رکھ دیا۔ حضرت علی ہجویری نے کفن کھول کر آپ کے نورانی چہرۂ مبارک کی زیارت کی۔ اس کے بعد آپ کا جنازہ آپ کی جائے قیام یعنی زنجان باغ میں لایا گیا۔ جہاں پر آپ ذکر واذکار کیا کرتے تھے۔ اس باغ میں آپ کی قبر بنائی گئی حضرت داتا صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور حضرت سید میراں حسین زنجانی کو اپنے ہاتھوں سے لحد میں اتارا۔

☆ مورخینِ لاہور کی اکثریت نے حضرت میراں حسین زنجانیؒ کا سالِ وصال 604ھ درج کیا ہے۔ جو تاریخی اعتبار سے درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ حضرت علی ہجویریؒ 431 ہجری میں لاہور تشریف لائے تھے۔ دراصل حضرت میراں حسین زنجانیؒ کی وفات اور حضرت علی ہجویری داتا گنج بخشؒ کی آمد کا سن ایک ہی یعنی 431 ہجری ہے۔
آپ کے عرس کی ابتداء کب ہوئی اور کس نے کی اس کے بارے میں تاریخ کے اوراق خاموش نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آپکا عرس صدیوں سے منایا جارہا ہے۔ تاریخ لی قدیم کتابوں میں آپؒ کے عرس کا حوالہ ملتا ہے۔ تحقیقاتِ چشتی اور تاریخ لاہور از کنہیا لال میں تحریر ہے کہ سکھوں کے دور میں آپ کے مزار پر بہت بڑا میلہ لگتا تھا۔ باغِ زنجان اس جگہ واقع ہے جہاں آج کل آپ کا مزارِ مبارک ہے۔ حضرت میراں حسین زنجانیؒ کا مزار لاہور ریلوے اسٹیشن سے آگے پرانی میوہ منڈی کے ساتھ سرکلر روڈ چوک دائیں جانب ایک موریہ پل ہے یہاں سے موٹر سائیکل رکشے عزیز روڈ نیلم سینما سے ہوتے ہوئے چاہ میراں روڈ تک جاتے ہیں۔ دائیں جانب باب میراں ہے۔ جہاں سے چند قدم کے فاصلے پر مزار شریف مسجد کے وسط میں ہے۔
مزار شریف کے اندر شیشے کا باریک کام کیا گیا ہے۔ قدموں میں دائیں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمریؒ کی چلہ گاہ ہے۔ دائیں جانب کچے فرش میں آٹھ قبور ہیں جبکہ بائیں جانب سنگ مرمر کی چھوٹی چاردیواری کے اندر چھ قبور ہیں چار آگے پہلی تین سنگ سرخ کی ہیں عقب میں عورتوں کے لئے باپردہ جگہ ہے۔ باہر وسیع صحن ہے۔ دائیں درسگاہ جامع زنجانیہ ہے جبکہ بائیں شفاخانہ میراں حسین زنجانیؒ محکمہ اوقاف کے زیرنگرانی ہے شفاخانہ کے سامنے بڑے دو بڑے درخت ہیں جہاں چراغ روشن ہوتے ہیں۔

حضرت یعقوب زنجانیؒ

حضرت یعقوب زنجانی ایران کے مشہور تاریخی شہر زنجان کے رہنے والے تھے شہر زنجان ایران کے موجودہ دارالخلافہ تہران سے تقریباً 100 میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور اس نسبت سے آپ کو زنجانی کہا جاتا ہے آپ کا تعلق خاندان سادات کے جدامجد حضرت محمد مصطفیٰؐ کے نواسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہؓ کے بیٹے حضرت امام حسینؓ سے ہے۔

آپ کے والد گرامی کا اسم شریف حضرت سید علی محمود اور والدہ ماجدہ کا نام حضرت مریم صغریٰ تھا۔ حضرت سید علی محمود کے ہاں پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں تولد ہوئیں سب سے بڑے حضرت میراں حسین زنجانی ''آپ کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے'' پھر دو صاجزادیاں حضرت کلثوم اور حضرت زینب پیدا ہوئیں۔ پھر چار لڑکے حضرت اسحاق زنجانی، حضرت یعقوب زنجانی، حضرت موسیٰ زنجانی اور حضرت علی زنجانی پیدا ہوئے۔ اور پھر ایک لڑکی حضرت فاطمہ پیدا ہوئیں۔

حضرت سید میراں حسین زنجانی حضرت یعقوب زنجانی اور حضرت موسیٰ زنجانی لاہور تشریف لائے اور تینوں بھائیوں نے لاہور ہی میں وصال فرمایا۔ جبکہ بقیہ اولاد شہر زنجان ہی میں رہی۔

ایک روایت کے مطابق آپ نے 20 سال کی عمر میں فقہ حدیث اور تفسیر کی تعلیم مکمل کی۔

تحقیقات چشتی کے مولف مولوی نور احمد چشتی لکھتے ہیں کہ حضرت یعقوب زنجانی اپنے بڑے بھائی حضرت میراں حُسین زنجانی کے ہمراہ 535 ہجری میں عہد بہرام شاہ غزنی میں لاہور تشریف لائے۔ جبکہ تحقیقات چشتی ہی کے صفحہ 238 پر تحریر ہے کہ حضرت یعقوب زنجانی نے 557 ہجری میں لاہور میں نزول فرمایا۔

تاریخ لاہور کے مصنف رائے کنہیا لال تحریر فرماتے ہیں کہ آپ سلاطین طوریہ کے زمانے میں لاہور آئے یہ زمانہ غزنوی خاندان کے آخری بادشاہ خسرو ملک کی گرفتاری 582ھ سے شروع ہوتا ہے۔

مفتی غلام سرور لکھتے ہیں کہ سید یعقوب زنجانی اور میراں حسن زنجانی لاہور اکھٹے تشریف لائے۔ لیکن مفتی غلام سرور نے آپ کی لاہور آمد کا سن تحریر نہیں کیا۔

ملفوظات قاسمیہ سفینۃ الاخبار اور آفتاب زنجان کے مطابق آپ کی آمد کا سال 387ھ

997ء ہے جو راقم الحروف کی تحقیقات کے مطابق درست معلوم ہوتا ہے۔
یہ علاقہ بعد میں شاہ عالمی کے نام سے مشہور ہوا۔ کیونکہ آپ شادی شدہ تھے۔ اور آپ کے بچے آپ ساتھ تشریف لائے تھے۔ اس لئے رہائش آپ کیلئے اشد ضروری تھی۔
ابتداء میں آپ نے محنت مزدوری کو اپنا ذریعہ معاش بنایا۔ اور محنت مزدوری کر کے بسر اوقات کرتے۔ آپ کے ظاہری شریعت کے سختی سے پابند تھے آپ کا ہر فعل سنت کے مطابق ہوتا۔ محنت مزدوری کے ساتھ ساتھ آپ نے ذکر وفقر بھی جاری رکھا۔
حضرت یعقوب زنجانی شہر لاہور کے جنوبی حصہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ اس زمانے میں لاہور سے ملتان اور کشمیر سے پشاور تک کے علاقہ پر راجپوت راجہ جے پال کی حکمرانی تھی اور ہندو دھرم عروج پر تھا۔ شہر لاہور مندروں سے بھرا پڑا تھا۔ عوام کی اخلاقی حالت نہایت خراب تھی۔ شراب، زناء، جواء، اور دیگر برائیاں عروج پر تھیں۔
حضرت یعقوب زنجانی، حضرت میراں حسین زنجانی اور حضرت موسیٰ زنجانی تینوں بھائیوں نے اپنے اپنے علاقہ میں تبلیغ اسلام کا کام شروع کیا شہر لاہور کی گلی کوچوں میں اسلام کی دعوت دیتے تحفۃ الابرار میں تحریر ہے کہ: حضرت یعقوب زنجانی نے علوم باطنی سے بہرہ ور ہونے کیلئے اپنے والد محترم حضرت سید علی محمود کے دست مبارک پر ہی بیعت کی جو زنجان میں اپنے دور کے جید عالم دین اور علوم ظاہری و باطنی میں کامل پیر طریقت تسلیم کئے جاتے تھے۔
حضرت یعقوب زنجانی نے اپنے والد گرامی کے زیر سایہ منازل سلوک طے کیں۔ عرصہ دراز فکر ریاضت اور مراقبہ میں مصروف رہے۔ اور علوم باطنی سے بہرہ ور ہونے کے بعد والد بزرگوار سے خلافت عطا ہوئی۔ 29 سال تک آپ نے اپنے والدین کی خدمت کی اور جاگیر کے انتظام میں بھی اپنے والد بزرگوار کا ہاتھ بٹاتے رہتے۔ لاہور آمد سے قبل آپ کی شادی ہو چکی تھی۔ چنانچہ آپ اپنے اہل وعیال کو بھی ساتھ لے کر لاہور آئے۔
سفینۃ الاولیاء میں شہزادہ دارہ شکوہ تحریر کرتا ہے کہ 557ھ میں حضرت صدر دیوان زنجانیؒ کہ اصل نام آپ کا سید یعقوب زنجانی تھا شیخ المشائخ حضرت سید حسین زنجانیؒ سید اسحاق زنجانی اور امام علی لاحق کے ہمراہ تشریف لائے۔

☆ ایک مرتبہ چند مصائب زدہ ہندو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا حضرت بارگاہ الٰہی میں ہمارے واسطے دُعا فرمائیں کہ ہماری مشکلات آسان ہو جاویں۔ چنانچہ آپ نے بارگاہِ رب العزت میں ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی کہ یاالٰہی اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سائل کندگان کی مشکلات حل فرما۔ وہ دُعا کروانے کے بعد واپس چلے گئے۔ اور اُن سب کی مرادیں پوری ہوئیں۔ چنانچہ وہ سب نذر و نیاز لے کر آپ کی خدمت میں اگلے ہی روز حاضر ہوئے اور سب نے اسلام قبول کر لیا۔اس واقعہ کے بعد آپ کی بزرگی کا چرچہ دور دور تک پھیل گیا۔

بعد ازاں بہت سی کرامات اور خرقِ عادات کے اظہار سے لاہور کے علماء اور شرفاء بھی آپ کی بزرگی اور شرافت کے قائل ہوتے گئے۔آپ نہایت وسیع الاخلاق بزرگ تھے۔آپ کا معمول تھا کہ جو شخص بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔آپ اِس سے بڑی خوش خلقی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے اور اس کے حال پر اتنی شفقت فرماتے کہ اسے سو فیصد یقین ہو جاتا کہ آپ صرف میرے ہی حال پر کرم فرماتے ہیں۔ بے شمار لوگ روزانہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے روحانی فیض و برکات کی بدولت اسلام کی روشنی سے اپنے قلوب منور فرماتے چنانچہ اس شمع معرفت کی کرنوں کی روشنی اور چمک سے لاہور کی ظلمت کفر و شرک ختم ہونا شروع ہو گئی۔

آپ کے فیوض و برکات سے نہ صرف کثیر تعداد میں ہندو مسلمان ہوئے بلکہ فرماں روائے پنجاب بھی آپ سے فیض یاب ہو کر آپ کا معتقد ہوا۔اس زمانے میں حکومت غزنوی کی جانب سے راجہ باہم لاہور کے صوبے کا گورنر تھا۔ راجہ باہم نے ناگور کی ریاست پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔تاکہ خاندان غزنوی کا رعب ہندوؤں پر چھا جائے۔

راجہ باہم حضرت یعقوب زنجانی کی خدمت میں حاضر ہوا۔اور فتح کیلئے آپ سے دعا کروائی۔آپ نے فرمایا کہ جاؤ حملہ کرو خدا تعالیٰ تمہیں فتح دے گا۔ پھر راجہ باہم نے ناگور کی ریاست پر حملہ کیا تو اُسے فتح نصیب ہوئی۔

قبولیت دُعا کا یہ عظیم الشان نشان دیکھ کر راجہ آپ کا مرید ہو گیا۔ پھر راجہ نے بہت سی زمین آپ کی نذر کی جس سے آپ کا خزانہ ظاہری دولت سے بھی پُر ہو گیا۔ اِس نے آپ کا وظیفہ بھی مقرر کیا جس سے آپ کی بقیہ زندگی معاشی اعتبار سے بہت اچھی گزری۔

ملفوظات قاسمیہ کے مولف سید محمد قاسم زنجانی کے مطابق آپ نے 460ھ میں وفات پائی۔آپ کوآپ کی قیام گاہ ہی میں دفن کیا گیا۔ جہاں آج کل آپ کا مزار شریف موجود ہے۔

تحقیقات چشتی میں آپ کے مزار کی متعلقہ عمارات وقبور کا حال درج ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مزار کا احاطہ بہت وسیع تھا۔غرب رویہ اس کے قصاب خانہ اور مشرق رویہ تالاب رتن چند اور گردونواح تمام قبرستان کی حد بہت دور تک تھی۔احاطہ مزار کی قبروں کے علاوہ یہاں داروغان مہاراجہ رنجیت سنگھ اور قاضیان لاہور کے قبرستان بھی تھے۔مزار کے مغرب کی طرف جو قصاب خانہ تھا اس کے ساتھ ہی مزار سے متعلقہ پہلوانوں کا اکھاڑہ تھا۔قبر پر سنگ مرمر کا تعویز تھا۔اور ایک طرف نشت گاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی تھی۔ یہ نشست گاہ یہاں آج تک موجود ہے۔ جہاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے اعتکاف فرمایا تھا۔غرب رویہ ایک مسجد پختہ عالیشان جس کے تین درمحرابی کلاں ہیں۔مشرقی جانب سبزی منڈی تھی۔تاریخ لاہور کے مصنف رائے بہاد کنہیالال نے اپنی کتاب تاریخ لاہور میں آپ کے مزار شریف کے حالات یوں درج کیے ہیں۔کہ آپ کا مزار مبارک پختہ چار دیواری کے اندر واقع ہے۔آپ کا مزار ایک چبوترے پر ہے۔چبوترے کے غرب رویہ پختہ عمارت اور ایک عالی شان مسجد بنی ہوئی ہے۔اِس کی تین محرابیں مقطع ہیں اِس کے علاوہ وہاں اور بھی کئی عمارتیں ہیں پہلے ہر جمعرات کو یہاں میلہ لگتا تھا اب ہر سال 16 رجب کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔لیکن اب کچھ چرچا نہیں کیونکہ دونوں طرف لالہ رتن چند کے تالاب اوران کی سرائے نے مزار اور اِس کی متعلقہ عمارتوں کو چھپا رکھا ہے۔

محمد دین فوق آپ کے مزار شریف کا حال بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ مزار کا احاطہ بہت تنگ ہو گیا ہے۔معلوم نہیں کہ مزار کی متعلقہ زمین متولیوں نے بیچ دیں یا لوگ خود قابض ہو گئے۔قصاب خانہ اور پہلوانوں کے اکھاڑے بھی نابود ہو چکے ہیں قصاب خانہ غالباً اُس وقت یہاں سے ہٹایا گیا جب 1881ء میں میوہسپتال اور میڈیکل کالج کی تعمیر شروع ہوئی۔قبرستان بھی اسی زمانے میں بند ہو چکا تھا۔احاطہ مزار کی جو زمین دیوان رتن چند کی سرائے اور تالاب سے بچ گئی وہ یار لوگوں کے کام آئی۔ چنانچہ اب وہاں کئی مکانات موجود ہیں۔انہیں میں خانقاہ کے متولی بھی رہتے ہیں۔ کچھ زمین زنانہ ہسپتال والوں نے لے لی۔ سرائے رتن چند میں سبزی منڈی لگتی تھی۔جب 1927ء میں لاہور میں ہندو مسلم فساد ہوئے

توہندوؤں نے سبزی منڈی بیرون موچی دروازہ کا بائیکاٹ کر کے اس سرائے میں ایک ہندو سبزی منڈی قائم کی چونکہ وہ ہنگامی جوش تھا۔اس لئے وہ زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔

حضرت یعقوب زنجانیؒ کا مزار مبارک اب نظروں سے بالکل پوشیدہ ہے۔میو ہسپتال کے عقب میں ہسپتال روڈ پر دائیں جانب کپڑے کی عارضی دوکانیں ہیں جبکہ بائیں جانب شادی کارڈوں کی پرنٹنگ کی بڑی مارکیٹ ہیں۔بائیں جانب تقریباً وسط میں لیڈی ایچیسن ہسپتال سے پہلے خانقاہ وہ بلند دروازہ ہے۔یہاں سے چھوٹی سی تنگ گلی مزار شریف تک جاتی ہے۔

اس راستہ کے دائیں جانب سرائے رتن چند کی پشت اور بائیں جانب زنانہ ہسپتال کی طویل دیوار ہے۔موجودہ سجادہ نشین سید محمد ادریس شاہ زنجانی آپؒ کی 135 ویں پشت سے ہیں

حضرت یعقوب زنجانی کا شجرہ نسب

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

حضرت امام حسینؓ

حضرت زین العابدینؓ

حضرت امام باقرؒ

حضرت امام جعفر صادقؒ

حضرت امام موسیٰ کاظمؒ

حضرت ابراہیمؒ

حضرت موسیٰ ثانیؒ

حضرت ابراہیمؒ

حضرت ابو جعفر برقعیؒ

حضرت علی محمودؒ

حضرت یعقوب زنجانیؒ

ایک روایت کے مطابق آپ نے 20 سال کی عمر میں فقہ حدیث اور تفسیر کی تعلیم مکمل کی۔

حضرت علی ہجویریؒ

حضرت علی ہجویری کا اسمِ گرامی علی کنیت ابوالحسن اور لقب گنج بخش ہے۔آپ نے داتا گنج بخش کے نام سے شہرت پائی۔اس بارے میں روایت عام ہے کہ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے یہاں چلہ کر کے اور معتکف رہ کر فیض حاصل کیا تو یہ شعر پڑھا۔

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

اس پر آپ کا نام گنج بخش مشہور ہو گیا۔لیکن آپ کی اپنی کتاب کشف الاسرار سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی یہ نام مشہور ہو چکا تھا۔ چنانچہ کشف الاسرار میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ اے علی! خلقت تجھے گنج بخش کہتی ہے۔ حالانکہ تیرے پاس ایک حبہ بھی نہیں گنج بخش تو اسی کو سزاوار ہے جو مالک الملک ہے۔

☆ آپ کے والدِ گرامی کا اسم شریف عثمان الجلابی ہے۔آپ نے غزنی کی دو بستیوں ہجویر اور جلاب میں ابتدائی عمر گذاری اسی لئے آپؒ ہجویری اور جلابی بھی کہلائے۔

☆ حضرت علی ہجویری کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت سے حضرت علیؓ سے جاملتا ہے۔آپ 400 ہجری 10-1009 عیسوی میں شہر غزنی کی ایک بستی ہجویر میں پیدا ہوئے۔آپ کی تاریخ ولادت تذکروں میں درج نہیں ہے۔آپ نے ابتدائی تعلیم ہجویر میں حاصل کی۔اعلیٰ تعیلم کے حصول کے لئے دور دراز سفر طے کئے۔آپ کا خاندان علم وفضل میں لاثانی تھا۔حصول علم کے لیے خراسان، نشاپور، آذربائجان، طوس، سرخس، سمرقند، شامرو، بسطام، فرغانہ، ماوراالنہر، قستان، طبرستان، خوزستان، بخارا، کرمان، اہوواز، دمشق، فارس، بغداد، جبل لکام، وادی بیت الجن، کوفہ، بصرہ، ترکستان، منیہر ، املا، شمالی ہند وغیرہ کا سفر کیا۔ دورانِ سفر ان ممالک کے علماء مشائخ اور اولیا اللہ سے ملاقاتیں کیں اور اپنے عہد کے ممتاز اہلِ علم سے استفادہ حاصل کیا۔سیر وسیاحت کی وجہ سے آپ میں لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ آپ نے اپنی پہلی تصنیف بارہ سال کی عمر میں لکھی۔آپ کی چند کتابیں درج ذیل ہیں

I. کشف المحجوب II. کشف الاسرار III. منہاج الدین IV. دیوان ہجویری V. الرعیۃ الخلوق اللہ VI . کتاب الفناء وبقاء VII . اسرار الطرق الموئنات VIII .

نوالقلوب IX. کتاب البیان لاہلی الصبان X. شرح کلام منصور اس وقت کشف المحجوب کے سوا آپؒ کی کوئی بھی تصنیف محفوظ نہیں۔ کشف المحجوب ایک روسی مفکر ژوضکی کے زریعے ہم تک پہنچی ہے۔

☆ کشف المحجوب میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ میں ایک بار ایک باطنی الجھن میں گرفتار ہوگیا۔ ایک روحانی راز تھا جو مجھ پر منکشف نہیں ہوتا تھا۔ اس کے انکساف کیلئے میں نے بڑی ریاضت کی مگر پھر بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس سے پہلے بھی ایک بار ایسا ہوا تھا اور میں نے حل کیلئے حضرت ابو یزیدؒ کے مزار پر چلہ کشی کی تھی۔ اس چلہ کشی کے نتیجے میں میری وہ باطنی مشکل حل ہوگئی تھی۔ چنانچہ اس بار بھی میں آپ کے مزار پر معتکف ہوگیا۔ لیکن تین ماہ تک اعتقاف میں بیٹھے رہنے کے باوجود مجھے کامیابی نہیں ہوئی اس دوران میں ہر روز تین مرتبہ نہاتا اور تین ہی مرتبہ تہارت کرتا کامیابی کی کوئی صورت نہ دیکھ کر میں نے خراسان جانے کیلئے رخت سفر باندھا راستہ میں ایک گاؤں میں قیام کیا یہاں صوفیوں کا ایک گروہ مقیم تھا۔ یہ لوگ رسم پرست تھے۔ انہوں نے مجھے سادہ جامہ پہنے دیکھ کر کہا کہ یہ ہماری جماعت سے متعلق نہیں اور واقعی میں ان کی جماعت سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا۔ انہوں نے مجھے قیام کیلئے جو جگہ دی خود اس سے بلند جگہ پر قیام کیا۔ خود تو نہایت لذیز و نفیس غذائیں کھائیں اور مجھے ایک سوکھی روٹی کھانے کو دی وہ لوگ میرا مضحکہ اڑاتے خربوزے کھا کر چھلکے مجھ پر پھینکتے میں نے اپنے دل میں کہا کہ اے خداوند کریم اگر ان کا لباس (گودڑی) وہ نہ ہوتا جو تیرے دوستوں کا ہوتا ہے تو میں ان کی یہ زیادتی کسی صورت برداشت نہ کرتا۔

باوجود یہ کہ یہ رسم پرست صوفی مجھے ہدف طنز و ملامت بنا رہے تھے۔ لیکن انبیاء و اولیاء کی ایک بہت بڑی سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے میرے دل کو بڑی مسرت ہو رہی تھی۔ اور اس وقت مجھ پر یہ راز سربستہ کھل گیا کہ بزرگان طریقت کم فہمیوں کی زیادتیاں کیوں برداشت کرتے ہیں اور مجھے معلوم ہوگیا کہ ملامت برداشت کرنا بھی روحانی مدارج کی بلندی کا زینہ ہے اور اس میں بھی بڑے مفادات ہیں۔

☆ آپ فرماتے ہیں کہ ایک روز کا ذکر ہے کہ میں علاقہ شام میں سفر کرتا ہوا۔ حضرت بلالؓ کے روضہ پر پہنچا جب میری آنکھ لگ گئی تو میں نے اپنے آپ کو مکہ معظمہ میں پایا اتنے میں حضور نبی کریمؐ بنی حبشہ کے دروازے پر تشریف فرما ہوئے اس وقت آپ ایک سن

رسیدہ شخص کو اس طرح بغل میں لئے ہوئے تھے جیسے کوئی کسی بچے کو لئے ہوتا ہے میں فرط محبت سے بے قرار ہو کر آپ کی طرف دوڑا اور آپ کے پائے مبارک کو بوسہ دیا میں بڑا حیران تھا کہ یہ ضعیف شخص کون ہے۔ کہ حضورؐ نے قوت باطنی سے میرے اس استعجاب کا حال معلوم کر لیا اور مجھے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ تمہارے امام ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اس سے مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا شمار ان لوگوں میں ہے جن کے اوصاف شرع کے قائم رہنے والے احکام کی طرح قائم و دائم ہیں۔

☆ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ قیام عراق کے زمانہ میں میں نے بہت کشادہ دستی سے کام لینا شروع کر دیا۔ نتیجتاً میں قرض کے بوجھ تلے دب گیا۔ ہوتا یہ تھا کہ جب کسی کو کوئی ضرورت پیش آتی وہ مجھ سے امداد طلب کرتا اور میں کسی نہ کسی طرح اس کی مدد کرتا۔ اس طرح لوگوں کے مطالبات روز بروز بڑھنے لگے۔ اور قرض خواہوں نے الگ تنگ کرنا شروع کر دیا۔

عراق کے ایک سردار نے جو میرے اس حال سے واقف تھا مجھے لکھا کہ تو نے جو طریق اختیار کیا ہے۔ اس سے پیدا شدہ پریشانیاں عبادت اور ذکر الٰہی میں مانع نہ ہو جائیں۔ یوں اندھا دھند روپیہ خرچ کرنا اچھا نہیں ہے۔ خداوند تعالیٰ اپنے بندوں کی ضروریات کیلئے بہت کافی ہے۔ اور اس کے سوا کسی میں یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ ہر بندے کی کفالت کر سکے میں نے اس نیک دل سردار کی اس پُر حکمت بات کو پلے باندھ لیا۔ اور پھر اس تنگی سے چھٹکارا حاصل کیا۔

☆ مورخین کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ آپ 431 ہجری 40-1039 عیسوی میں سلطان مسعود غزنوی (سلطان محمود غزنوی کا فرزند) کے دورِ حکومت میں اپنے مرشد کے حکم پر رشد و ہدایت کے لئے لاہور تشریف لائے۔

☆ آپ کی لاہور آمد کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ جس وقت آپ کو حضرت ابوالفضل (آپ کے مرشد) نے آپ کو لاہور جانے کا حکم دیا۔ تو آپ کو حیرانی ہوئی اور آپ نے انکساری سے عرض کیا کہ حضور لاہور میں تو ہمارے پیر بھائی اور مرید کامل حضرت شاہ حسین زنجانی" پہلے سے موجود ہیں۔ حضرت ابوالفضل نے فرمایا "اے علی تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دینے کے لئے لاہور چلے

جاؤ''۔ حکم مرشد کے بعد آپ اپنے وطن غزنی تشریف لے گئے اور لاہور جانے کی تیاری کی۔ اور شیخ احمد حماد سرخی اور شیخ ابو سعید ہجویری کے ہمراہ دشوار گزار پہاڑوں سے ہوتے ہوئے اجنبی ملک ہند کی طرف روانہ ہوئے۔ اللہ کے یہ تینوں برگزیدہ بندے انتہائی مشقت اُٹھاتے ہوئے پہاڑی راستے عبور کرتے ہوئے پشاور پہنچے۔ پھر پنجاب کے دریاؤں کو عبور کرتے ہوئے 431 ہجری 40-1039 عیسوی کو لاہور پہنچے۔ رات کا وقت تھا۔ صبح ہوئی تو دیکھا کہ بہت سے لوگ ایک جنازہ لئے جا رہے ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ شاہ حسین زنجانیؒ کا جنازہ ہے۔ یہ سن کر آپ مرشد کے فرمان کی حکمت اور تہہ تک پہنچے۔

☆ ان دنوں غزنی پر سلطان محمود غزنوی کے بیٹے سلطان مسعود غزنوی کی حکومت تھی۔ سلجوقیوں نے جن کا حکمران سلطان الپ ارسلان سلجوقی تھا نے حملہ کر دیا اور مسعود غزنوی کو شکست دی مسعود غزنوی لاہور آتے ہوئے جہلم کے کنارے مارا گیا۔ اس وقت بہت سے علماء فضلاء اور مقامی لوگ بھی دیگر علاقوں کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس وقت دریائے راوی کا بہاؤ بھاٹی دروازہ کے قریب تھا اب جس جگہ اقبال پارک (مینار پاکستان) ہے اور بڈھا راوی نالہ کی صورت میں بہتا ہے۔ اس وقت یہ دریائے راوی کی گذرگاہ تھی۔ بلکہ بادشاہی مسجد کی تعمیر و تاسیس کے ایک عرصہ بعد تک بھی یہی گذرگاہ رہی۔ اس لئے یہ کہنا مناسب ہے کہ دریائے راوی کے بائیں کنارے اور بھاٹی دروازے کے قریب ایک ٹیلے پر قیام فرمایا۔ بہر کیف حضرت داتا علی ہجویری عبادت و ریاضت اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ جس جگہ آپ کا مزار مبارک ہے۔ یہاں آپ نے ایک مسجد تعمیر کروائی اور رشد و ہدایت، دین کی تبلیغ کے کارنامے سرانجام دینے لگے۔

☆ مسجد کی تعمیر کے تمام اخراجات خود کئے اور خود بھی ایک مزدور کی طرح خانہ خدا کی تعمیر میں حصہ لیا۔ یہ مسجد ایک بڑے دالان پر مشتمل تھی۔ چھت اس کی لکڑی کی تھی۔

☆ شہزادہ دارہ شکوہ کی کتاب سفینۃ الاولیاء کے مطابق 431 ہجری میں اس مسجد کی تعمیر ہوئی۔ شہزادہ دارہ شکوہ لکھتا ہے کہ جو مسجد آپ نے تعمیر کروائی اس کا محراب دوسری مساجد سے قدرے جنوب کی طرف مائل تھا۔ علمائے وقت نے اس پر اعتراض کیا کہ قبلہ درست نہیں۔ آپ نے علماء کو دعوت دی اور خود امام بن کر نماز پڑھائی نماز کے بعد آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ اب دیکھو کعبہ شریف کس طرف ہے.....؟ تمام حجابات درمیان سے

اُٹھ گئے اور خانہ کعبہ سامنے نظر آنے لگا۔قبلہ کو سامنے بالمشافہ موجود پا کر تمام علماء معذرت خواہ ہوئے۔اس کرامت کی بدولت آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔آپ نے مسجد سے ہی شمع اسلام فروزاں کی اور پورے برصغیر میں اسلام کی روشنیاں منور کیں۔اورنگزیب عالمگیر کے زمانے میں جب دریائے راوی میں سیلاب آیا تو اس مسجد کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا۔

☆ آپ کی لاہور تشریف آوری کے وقت اس شہر کی آبادی بہت کم تھی۔ عمارتیں زیادہ بلند نہ تھیں۔اس وقت لاہور کا نام محمود پور تھا۔ ہندوستان میں بیشمار ریاستیں تھیں ۔ شمال کی جانب غزنوی حکومت تھی ۔ تقریباً تمام ریاستوں کے حاکم ہندو ''راجپوت'' تھے۔شہر لاہور میں ہندو راجپوتوں کی اکثریت تھی۔لاہور کا نائب حاکم بھی ایک ہندو راجپوت راجہ تھا جس کا نام رائے راجو تھا۔خدائے واحد کو ماننے والا کوئی نظر نہ آتا تھا۔ سب بت پرست تھے۔ذات پات کی تفریق کی وجہ سے قومیں ایک دوسرے کی جانی دشمن تھیں۔لاہور شہر کے اردگرد کی زمینیں ہندو ارائیوں کی ملکیت تھیں۔

☆ ہندو دھرم عین عروج پر تھا۔البیرونی لکھتا ہے کہ ان کے نکاحوں میں بھی بے شرمی اور بے حیائی کے تعلقات موجود تھے ۔ چنانچہ پنجھیرے سے کشمیر کے آس پاس کے علاقے تک جو سلسلہ کوہ تک پھیلا ہوا ہے۔وہاں کے لوگوں میں عام ہے کہ چند بھائیوں کے درمیان اگر وہ حقیقی ہوں تو ایک عورت کا مشترک ہونا فرض ہے۔ ماضی قدیم میں ان کے نکاح کے چند طریقے اور بھی تھے۔یہ کہ ایک شخص اپنی بیوی کو کسی بڑے خاندان میں اولاد پیدا کرنے کے لئے یہ حکم دیتا کہ وہ فلاں شخص کے پاس جائے اور اس سے ہم بستر ہو اور پھر اس کا شوہر اس شوق میں کہ اس کا بچہ نجیب ہو حمل کے دنوں میں بیوی کے پاس نہیں جاتا تھا۔ دوسرا یہ کہ ایک شخص اپنی بیوی کو مخصوص عرصہ کے لئے یا مستقل کسی دوسرے شخص کو دے دیتا اور اس کی بیوی خود لے لیتا۔اس طرح باہمی رضامندی سے بیویاں تبدیل کرلی جاتیں۔ ایک اور یہ کہ کچھ مرد ایک عورت کے پاس جاتے اور باری باری اس کے ساتھ ہم بستر ہوتے پھر جب اس سے اولاد پیدا ہوتی یا تو عورت اسے خود کسی مرد سے منسوب کر دیتی یا پھر اندازے سے شکل وصورت کی بناء پر پہچانا جاتا کہ وہ کس کی اولاد ہے۔

☆ نکاح کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ نکاح جو باپ یا بیٹے کی بیوہ کے ساتھ کیا جاتا تھا۔اس عمل سے جو بیٹا پیدا ہوتا اسے مرنے والے کے نام سے موسوم کیا جاتا اور اس کی نسل

بڑھانے کا زریعہ جانا جاتا مختصر یہ کہ مذہب کے نام پر ہر قسم کی بے حیائی جاری تھی۔ لوگوں کی اخلاقی حالت نہایت خراب تھی۔ شراب، زناء، ہم جنس پرستی اور جوا جیسی دیگر برائیاں عام تھیں۔

☆ حضرت علی ہجویری نے لاکھوں غیر مسلموں کو متاثر کیا اور وہ مشرف با اسلام ہوئے۔ بھاٹی دروازہ لاہور جو راجپوتوں کے قدیم قبیلے بھاٹی یا بھٹیوں سے منسوب ہے۔ یہ لوگ زمانہ قدیم میں یہاں آباد تھے۔ آپ کی لاہور آمد کے بعد اسلام کی روشنی پھیلنا شروع ہوئی اور تبلیغ دین سے بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور اس کے کچھ عرصہ بعد مسلمانوں نے بھاٹی دروازے کا نام ہجویری دروازہ رکھ دیا۔ بھاٹی یا بھٹی راجپوتوں نے اس کا بہت برا منایا۔ اس وقت لاہور کا راجہ جے سنگھ راجپوت تھا۔ بھٹی راجپوتوں نے بھاٹی دروازے کا نام جے سنگھ دروازہ رکھ دیا۔ جب واقعہ کی اطلاع حضرت علی ہجویری کو ملی تو آپ نے ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کے عمائدین کو بلوایا اور فرمایا کہ نام بدلنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ جب تک کہ دلوں میں انقلاب نہ آئے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ آپ لوگ جو بھی نام رکھ لیں ہم کو منظور ہوگا۔ پھر فرمایا اور اگر اس دروازے کا پرانا نام جو بھاٹی دروازہ ہے وہی رہنے دیا جائے تو بہتر ہے۔ کیونکہ ہجویری کی نسبت بھٹی قوم کا اس دروازے پر زیادہ حق ہے۔ جو یہاں صدیوں سے آباد ہیں۔ راجہ جے سنگھ آپ کے اس فیصلے سے بہت متاثر ہوا اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اور پھر تقریباً تمام بھٹی راجپوتوں نے اسلام قبول کر لیا۔

☆ لاہور کا نائب حاکم بھی ایک راجپوت جس کا نام رائے راجو تھا نے بھی حضرت داتا گنج بخش کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی۔ آپ نے رائے راجو کا اسلامی نام عبداللہ اور لقب شیخ ہندی عطا فرمایا۔ آپ کے بارے میں تفصیل اگلے صفحات پر درج ہے۔ آپ کے وصال کے بعد سب سے پہلے مزار شریف اور ارد گرد کا چبوترا حضرت شیخ ہندی ہی نے تعمیر کروایا۔

☆ ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ کسی کو بھی اس سے مفر نہیں وہ لوگ نیک ہوں یا ان کا دامن گناہوں سے آلودہ ہو۔ وہ پیغمبر ہوں یا اولیاء اللہ، ہر انسان کو اس دارِ فانی سے کوچ کرنا ہے۔

قدیم تاریخی کتابوں کے اوراق اس بارے میں خاموش نظر آتے ہیں کہ حضرت داتا گنج بخشؒ کتنے دن بیمار رہے اور آپؒ نے کس مہینے کی کس تاریخ کو وصال فرمایا لیکن آپ کا عرس مبارک ہر سال صفر کی 19 تاریخ کو ہوتا ہے اس لئے قیاس کیا جاتا ہے کہ آپ کا وصال بھی اسی مہینے میں ہوا ہوگا۔ پیدائش کی طرح آپؒ کے یومِ وصال پر بھی اختلاف پایا جاتا

ہے۔ بہت سے محققین اور تذکرہ نگاروں نے آپ کا سال وصال 465 ہجری سے اتفاق کیا ہے۔ علاوہ ازیں مزارِ مبارک کے اندرونی دروازے پر جو قطعہ درج ہے اس پر بھی سال وصال 465 ہجری درج ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق حضرت داتا گنج بخش نے اپنی زندگی کے 34 سال دنیا کے اس قدیم تاریخی شہر لاہور میں گذارے اور پھر چند روز علالت کے بعد اس جہانِ فانی سے کنارہ کر گئے۔ آپ نے اپنے حجرہ میں ہی وصال فرمایا۔ پھر آپ کے خلیفہ حضرت عبداللہ لقب شیخ ہندی نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور اس مقام پر جہاں آپ نے وصال فرمایا دفن کیا گیا۔ آپ کا مزار آج بھی اس جگہ مرجع خلائق ہے اور آسمان آپ کی لحدِ مبارک پر شبنم افشانی کرتا ہے۔

☆ بیشمار اکابرین جن میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ، حضرت شیخ بہلول دریائیؒ، حضرت شیخ حسن علائیؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ حضرت شیخ حسینؒ (المشہور مادھولال حسین) حضرت شاہ عنایت قادریؒ سمیت بے شمار اولیاء اللہ نے آپؒ کے مزارِ مبارک پر حاضری دے کر فیض و برکت حاصل کیا۔

☆ آپ کے مزارِ مبارک پر سب سے پہلے بادشاہ (وصال کے آٹھ سال بعد) ظہیر الدولہ ابراہیم غزنوی نے حاضری دی۔ اس کے بعد خاندانِ غلاماں، خاندانِ خلجی، خاندانِ تغلق، خاندانِ سادات، خاندانِ لودھی کے جتنے بادشاہ لاہور آئے انہیں آپ کے مزار شریف پر حاضری کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔ پھر خاندانِ مغلیہ کے جلال الدین اکبر نے بھی آپ کے مزارِ مبارک پر اپنی عقیدت کے پھول چڑھائے۔ مزار کی طرف جانے کا راستہ فرش دروازہ چوکھٹہ دائیں اور بائیں جانب کے چبوترے بھی شہنشاہ جلال الدین اکبر نے ہی تعمیر کروائے اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کا حجرۂ اعتکاف بھی پختہ کروایا۔

☆ نور الدین جہانگیر، شہاب الدین شاہجہاں، محی الدین اورنگ زیب عالمگیر اور شہزادہ دارہ شکوہ جو ایک صوفی منش شہزادہ تھا جس کی تصوف کے موضوع پر کئی کتابیں ملتی ہیں سمیت مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بھی آپؒ کے مزار شریف پر حاضری دی۔

☆ سفینۃ الاولیاء میں شہزادہ دارہ شکوہ لکھتا ہے کہ چالیس روز متواتر یا چالیس جمعرات تک اگر کوئی شخص حضرت داتا صاحبؒ کے مزارِ مبارک پر حاضری دے اور خدا کو یاد کرتے ہوئے اپنی حاجت بیان کرے اور آپؒ کی روح سے مدد چاہیے تو انشاءاللہ وہ اپنے دل کی مراد پائے گا۔ اپنے بارے میں شہزادہ لکھتا ہے کہ میں چالیس روز متواتر حضرت کے مزارِ اقدس پر حاضر ہوتا رہا اور جو میرے دل کا مقصد تھا وہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داتا صاحبؒ کے طفیل پورا کر دیا۔

☆ مہاراجہ رنجیت سنگھ جس کے دور میں بہت سی مساجد اور مزار منہدم ہوئے۔ وہ سکھ ہونے کے باوجود آپؒ سے عقیدت اور محبت رکھتا تھا اور آپؒ کے مزار مبارک کا نہایت ادب اور احترام کرتا تھا۔ ہر ماہ نذرانے بھیجتا اور عرس کے موقع پر ایک ہزار روپے نقد دیتا۔ اپنے دورِ حکومت میں اس نے کئی مرتبہ مزار شریف اور گردونواح کی مرمت کروائی۔ مہارانی چندر کور (رانی مہاراجہ کھڑک سنگھ) نے احاطہ مزار کے اندر ایک شاندار دالان تعمیر کروایا۔ رنجیت سنگھ اکثر اوقات خود بھی دربار شریف پر حاضری دیتا۔ بادشاہوں کے علاوہ لاہور اور دیگر علاقوں کے حکام، صوبے دار، نواب، ناظم وغیرہ بھی آپ کے مزار شریف پر حاضری دیتے اور یہ سلسلہ صدیوں سے آج تک جاری ہے اور انشاءاللہ جاری رہے گا۔

☆ 1287ھ 1873ء میں حاجی نور محمد بوٹا نامی ایک بزرگ نے آپ کے مزار شریف پر سبز گنبد تعمیر کروایا جو اس سے پہلے نہیں تھا۔ 1968ء میں گنبد کے اندر دراڑ آ گئی جسے میجر ابراہیم نے مرمت کروایا۔

☆ 1354ھ 1940ء میں مولوی فیروز دین (بانی فیروز سنز) نے چوبی جالیوں والی جگہ سنگِ مرمر لگوایا۔ 24 دسمبر 1974ء کو وزیرِ اعظم پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے دربار کے صدر دروازے کی ڈیوڑھی میں سونے کے دروازے کا افتتاح کیا۔ 28 جنوری 1978ء میں جدید توسیعی وتعمیراتی منصوبہ کا سنگِ بنیاد صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے رکھا۔ منصوبہ 1989ء میں مکمل ہوا۔ مارچ 1992ء میں افتتاح وزیرِ اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف نے کیا۔ اس کمپلیکس کا بہترین اثاثہ خطاطی کا کام ہے۔ جسے سنگ مرمر پر کندہ کیا گیا ہے۔ جو پاکستان میں اپنی نوعیت کا ریکارڈ کام ہے۔ اسے پاکستان کیلیگراف آرٹسٹس گلڈ نے اطہر طاہر سابق سیکریٹری اوقاف (سیکریٹری ٹرانسپورٹ پنجاب) کی سرپرستی میں سرانجام دیا۔ یوں تو اس میں پاکستان کے متعدد خطاطوں نے حصہ لیا۔ مگر تقریباً 80 فیصد کام پاکستان کے نامور خطاط خورشید عالم گوہر قلم نے سرانجام دیا۔ آپؒ کا مزار شریف بھاٹی دروازہ کے سامنے بائیں جانب راوی روڈ پر واقع ہے حضرت علی ہجویریؒ ان زندہ جاوید ہستیوں میں سے ایک ہیں جن کے عظیم علمی کارنامے پوری طرح محفوظ نہیں رہ سکے پھر بھی جو کچھ ہم تک پہنچ سکا اس سے آپ کی عظمت آشکارہ ہو جاتی ہے کہ صوفیاء متقدین ومتاخرین میں آپ کی مثال تلاش کرنا آسان نہیں۔ مزار شریف محکمہ اوقاف کے زیرِ انتظام ہے۔

حضرت شیخ ہندیؒ

☆ حضرت شیخ ہندی حضرت داتا گنج بخشؒ کے نائب مریدِ واحد اور پہلے سجادہ نشین تھے۔آپ کی پیدائش تقریباً 376 ہجری میں لاہور میں ہوئی۔آپ ہندو راجپوت خاندان سے تھے اور سلطان محمود غزنوی کے پوتے مجدد غزنوی کے دور میں نائب حاکم پنجاب تھے۔

جب نظر لطف و کرم کی شیخ ہندی پر پڑی
کر دیا قطرے سے دریا آپ نے یا گنج بخش

☆ قبول اسلام سے قبل آپ کا نام رائے راجو تھا۔جس وقت حضرت علی ہجویری لاہور تشریف لائے اسوقت لاہور سمیت تمام پنجاب میں رائے راجو کا طوطی بول رہا تھا۔جس جگہ حضرت داتا علی ہجویریؒ کا مزارِ مبارک واقع ہے۔اس کے قریب ہی رائے راجو کا ڈیرہ تھا۔اس زمانے میں دریائے راوی ڈیرے کے پاس سے گزرتا تھا۔یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ رائے راجو کا ڈیرہ راوی کے کنارے واقع تھا۔جس وقت رائے راجو کو معلوم ہوا کہ اس کے ڈیرے کے قریب ایک بزرگ ہستی نے ڈیرہ لگالیا ہے اور یہ کہ مخلوقِ خدا اس بزرگ کی جانب راغب ہونا شروع ہوگئی ہے۔جیسا کہ پہلے تحریر کیا جاچکا ہے کہ ان دنوں لاہور اور اس کے گردونواح میں رائے راجو کا بڑا چرچہ تھا۔علاقے بھر کے لوگ بھینسوں کا دودھ اسے دیتے تھے۔اور اگر کوئی ایسا نہ کرتا تو اس کے عمل سے بھینسوں کے تھنوں سے دودھ کی جگہ خون نکلنے لگتا اور لوگ اسے خوب نذرانہ دیتے۔جلد ہی لاہور کے قرب وجوار میں یہ خبر پھیلی کہ شہر سے باہر اللہ کا ایک بندہ ہے۔جس کو دودھ دینے سے دودھ اللہ کی قدرت سے بڑھ جاتا ہے۔چنانچہ دودھ میں برکت کی خاطر لوگ آپ کے پاس دودھ لانے لگے۔حضرت داتا صاحب اپنی ضرورت کا دودھ رکھ کر باقی لوگوں میں تقسیم کر دیتے اور جب یہ لوگ گھروں میں اپنے میمل جانوروں کا دودھ دوہتے تو دودھ پہلے کی نسبت زیادہ ہوتا اور یوں لوگوں نے رائے راجو کو دودھ دینا بند کر دیا۔واقعہ کا علم ہونے پر رائے راجو سخت طیش میں آگیا۔اس نے فوری طور پر سپاہیوں کو حکم دیا کہ حضرت داتا صاحب کو شہر سے باہر نکال دیا جائے۔رات ہوتے ہی سپاہیوں کا ایک دستہ حضرت داتا صاحب کے ڈیرے پر آگیا۔آپ اس وقت اپنی جھونپڑی

میں یادِ الٰہی میں مصروف تھے، انہوں نے رائے راجو (نائب حاکمِ پنجاب) کا پیغام حضرت داتا صاحب کو پہنچایا کہ آپ فوراً یہاں سے نکل جائیں۔ حضرت داتا صاحب نے فرمایا کہ میں یہاں خدا کے حکم سے آیا ہوں اور اب میرے ساتھ جو کچھ بھی ہو وہی میرا محافظ و مددگار ہوگا۔ سپاہی یہ سن کر طیش میں آگئے اور انہوں نے آپ کی جھونپڑی کو آگ لگا دی۔ مگر تمام کوششوں کے باوجود جھونپڑی کو آگ نے چھوا تک نہیں۔ سپاہی یہ معاملہ دیکھ کر سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ تو واقعی اللہ کا کوئی برگزیدہ بندہ ہے۔ اور واپس لوٹ کر رائے راجو کو تمام واقعہ سنایا، رائے راجو نے ڈانٹ ڈپٹ کر پھر سے جھونپڑی کو آگ لگانے کو بھیجا۔

☆ اس مرتبہ جب سپاہیوں نے حضرت داتا گنج بخش کی جھونپڑی کو آگ لگانا چاہی تو خدا کی قدرت سے رائے راجو کے محل میں آگ لگ گئی۔ یہاں تک کہ تمام تر کوششوں کے باوجود آگ پر قابو نہ پایا جا سکا۔ فوراً رائے راجو کو درویش کی جھونپڑی کو آگ لگانے والا واقعہ یاد آیا پھر اس نے خود حضرت داتا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگی۔ حضرت داتا صاحب نے رائے راجو کو معاف کر دیا۔ تو آگ فوری طور پر ختم ہو گئی۔ اس کے بعد رائے راجو نے حضرت داتا صاحب سے مقابلے کی ٹھانی۔ چنانچہ انتقامی جذبہ کے تحت رائے راجو حضرت داتا صاحب کے سامنے آکھڑا ہوا اور آپ سے مقابلہ کا چیلنج کیا۔ آپ نے فرمایا دیکھو میں تو اللہ کا ایک عاجز بندہ ہوں، ہاں اگر تم میں کوئی خوبی ہے یا کوئی شعبدہ ہے تو ہمیں دکھاؤ۔ اس پر رائے راجو نے زبان میں کچھ پڑھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہوا میں اڑتے ہوئے بلند ہونے لگا پھر حضرت داتا صاحب نے مسکراتے ہوئے اپنے نعلین ہوا میں پھینک دیے جو ہوا میں اڑتے ہوئے رائے راجو کے سر پر پڑنے لگے اور سر پر کفش کاری کرتے ہوئے اسے زمین پر لے آئے۔ اس کرامت سے رائے راجو صدقِ دل سے متاثر ہوا اور حضرت داتا گنج بخش کے قدموں میں گر گیا۔ پھر آپ نے رائے راجو کو سینے سے لگا لیا۔ اور اس کا قلب دینِ اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ اور نام عبداللہ لقب شیخ ہندی رکھا۔ جس وقت آپ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو اپنے ہمراہ اپنے چیلوں جن کی تعداد ایک لاکھ پچیس ہزار سے بھی زائد تھی حلقہ بگوش اسلام کرایا۔ پھر آپ کی ظاہری و باطنی تربیت فرمائی۔ قرآن پاک حفظ کروایا۔ تفسیر، فقہ اور احادیث کی تعلیم دی۔ حضرت شیخ ہندی نے باقی ماندہ زندگی کا تمام حصہ حضرت داتا صاحب کی خدمت میں گزارا۔ اور وہ فیض پایا جو شاید کسی اور کو نصیب نہیں ہوا پھر آپ کا شمار اُس وقت کے اکابر اولیاء اللہ میں ہونے لگا۔

☆ جس وقت حضرت داتا گنج بخش نے اپنی پہلی مسجد تعمیر کروائی تو مسجد سے ملحقہ اپنے ساتھ حضرت شیخ ہندی کا حجرہ بھی تعمیر کروایا۔ جس وقت آپ کی عمر مبارک 80 سال ہوئی تو حضرت داتا گنج بخش نے آپ کا سلسلہ نسب جاری رکھنے کی غرض ۔ 456 ہجری میں آپ کی شادی اپنے ایک عقیدت مند نومسلم گھرانے میں کروادی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ ہندی کو ضعیف العمری میں اولاد نرینہ سے نوازا۔ آپ کے صاحبزادے کا اسم شریف بھی حضرت داتا گنج بخش نے شیخ لطفی رکھا۔ حضرت شیخ لطفی نے حضرت داتا صاحب کی گود مبارک میں پرورش پائی۔ آپ شیخ لطفی سے بیحد پیار فرماتے تھے۔ حضرت داتا گنج بخش کے وصال کے بعد حضرت شیخ ہندی نے آپ کے مشن کو جاری رکھنے کا فریضہ سرانجام دیا اور حضرت داتا گنج بخش کی تعمیر کردہ مسجد میں اکیس (21) سال تک امامت فرمائی اور عوام وخواص کو ظاہری و باطنی فیوض و برکات سے نوازتے رہے۔ اور لاکھوں غیر مسلموں کو تبلیغ اسلام کے ذریعے حلقہ بگوش اسلام کیا۔ ہر روز درس قرآن پاک کے علاوہ فقہ اور حدیث کی تعلیم فرماتے تھے۔ غریبوں، حاجتمندوں، یتیموں اور مسکینوں کی امداد فرما کر خوشی محسوس کرتے تھے۔ حضرت شیخ ہندی نے 486 ہجری میں تقریباً 110 سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ آپ کا مزار شریف حضرت داتا گنج بخشؒ کے ساتھ گنبد سے باہر مشرق کی جانب زنانہ دیوار کے ساتھ مردانہ حصہ میں واقعہ ہے۔ اور بالکل ساتھ آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ لطفی کا مزار مبارک ہے۔ دونوں مزار سنگِ مرمر کی جالیوں کے کٹہرے میں واقع ہیں۔ آپ کا عرس مبارک ہر سال 3.4.5 ربیع الاول کو منعقد ہوتا ہے۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت شیخ لطفی سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ شیخ لطفی کے بعد شیخ عنایت اللہ سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ ولی الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری آپ ہی کے زمانہ میں لاہور تشریف لائے اور چلہ کشی فرمائی۔ شیخ عنایت اللہ کے بعد شیخ نعمت اللہ سجادہ نشین مقرر ہوئے اور بارہ پشتوں تک ایک ہی اولاد نرینہ چلتی رہی۔ مغل شہنشاہ جلال الدین اکبر کے دور میں حضرت شیخ لطیف اللہ جو کہ بارہویں پشت کے بزرگ تھے نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا فرمائی کہ اے خدا حضرت داتا گنج بخشؒ کے طفیل ان کی اولاد میں اضافہ فرمایا جاوے۔ پھر دعا قبول ہوئی اور اولاد میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا گیا۔ جو آج تک جاری ہے۔ سجادہ نشین پہلے اندرون بھاٹی گیٹ کوچہ مجاوراں میں مقیم تھے، اب تقریباً دوسو سال سے دربار شریف کے قرب وجوار میں آباد ہیں۔ 1960 عیسوی تک سجادہ نشین حضرات کو احاطہ دربار حضرت داتا گنج بخشؒ میں ہی دفن کیا جاتا تھا۔ 1960ء سے جگہ کی قلت کے باعث سجادہ نشین حضرات کو احاطہ دربار حضرت داتا گنج بخشؒ کے قریب تکیہ پیراں غائب اور تکیہ کھڑکی پیر میں دفن کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ عزیز الدین پیر مکیؒ

حضرت شیخ عزیز الدین نے پیر مکی کے نام سے شہرت پائی تحفۃ الواصلین کے مطابق آپ بغدادی ہیں پہلے آپ بغداد شریف سے مکہ معظمہ تشریف لائے۔اور یہاں بارہ (12) برس مقیم رہے۔مکہ معظمہ میں بیت اللہ کے پاس حالتِ اعتکاف میں ماہ وسال گزارے۔اور ''پیر مکی'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ پھر ایمائے ربانی سے عازم ہندوستان ہوئے آپ سادات عظام،علماء کبریٰ اور اولیاء کرام سے اہل شریعت وطریقت تھے۔

☆ خزینۃ الاصفیاء بزرگان لاہور کے علاوہ اکثر مورخین نے آپ کا نام شیخ عزیز الدین مکی لکھا ہے۔

☆ تاریخ لاہور کے مصنف نے آپ کا نام سید جلال الدین لکھا ہے۔

☆ مولوی نور احمد چشتی نے تحقیقات چشتی میں آپ کے نام کی بجائے صرف پیر مکی لکھا ہے جبکہ وصال کے بارے لکھا ہے کہ آپ نے سلطان شمش الدین التمش کے دور میں وفات فرمائی۔آپ کے مزار سے اِس واقعہ کی قدامت کا اظہار ہوتا ہے۔سلطان شمش الدین التمش کا عہد 1210ء تا 1236ء تک تھا۔

ایک روایت کے مطابق آپ شہاب الدین شاہجہان کے دور حکومت (1627ء تا 1658ء) میں حضرت علی ہجویریؒ کے مزار مبارک پر معتکف ہونے کیلئے لاہور تشریف لائے اور قیام لاہور کے چند برس بعد وصال فرما گئے۔آپ کا مزار شریف شاہجہان کے حکم پر تعمیر ہوا اور وفات 12 ربیع الثانی 1048ھ میں ہوئی۔

☆ نقوش لاہور نمبر کے مطابق یہ درست نہ ہے۔مزار شریف کی تعمیر سے کوئی علامت عہد شاہجہانی تعمیرات کی نظر نہیں آتی۔اور تفصیل سے لکھا ہے کہ آپ کا مزار شہاب الدین شاہجہان کے زمانے سے بہت پہلے کا ہے۔

☆ نقوش لاہور کے مطابق 612ھ 1215ء کے دور میں تاج الدین یلدوز خوارزم شاہ سے شکست کھا کر ''کرمان اور سیوران'' سے ہوتا ہوا۔اور سلطان شمس الدین التمش کو للکارتا ہوا پنجاب وتھانیسر تک پہنچ گیا تھا۔لیکن یہیں آکر وہ قید ہوا۔اور بدایوں میں

اجل طبعی یا زہر پلانے سے وفات پا گیا۔ اِس حساب سے آپ کی وفات سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں ہوئی اور آپ کے مزار سے بھی اِس واقع کی قدامت کا اظہار ہوتا ہے۔

☆ تاریخ لاہور کے مطابق آپ مکہ معظمہ سے لاہور تشریف لائے اِس وقت پنجاب پر خسرو ملک غزنوی کی حکومت تھی (1160ء تا 1186ء)۔

☆ خزینۃ الاصفیاء کے مطابق آپ 36 برس تک لاہور میں مقیم رہے اور دین اسلام کی تبلیغ فرماتے رہے۔

☆ صاحب خزینۃ الاصفیاء نے بھی آپ کے قیام لاہور کے متعلق لکھا ہے کہ شہاب الدین کا حملہ لاہور کے سال 574ھ بتا کر حضرت پیر مکیؒ کی دُعا کا ذکر کرتے ہوئے ایک سال کے خطرہ کی مدت کو چھ سال تک وسعت دی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

"آنحضرت دُعا کرد فرمود که ازجانب حق تاشش سال دیگر ترا امان است بعدازاں قبضه مملکت ابن اقلیم به دست شاهان غوریه داده اندشهاب الدین بازدر سال پانصدو هشتاد (586ھ) براہ سیالکوٹ عزم لاهور کرو. واول قلعه سیالکوٹ تعمیر کرده به محاصره لاهور پر داخت وفتح نمود.

☆ تاریخ ہندوستان جلد اوّل مولیٰنا ذکاءاللہ میں شہاب الدین غوری کی فتح لاہور کے حالات میں صفحہ 290 پر درج ہے کہ سلطان 576ھ 1179ء میں لاہور آیا۔ خسرو ملک نے صلح صفائی اور اپنے فرزند خسرو شاہ کو یرغمال دے کر اپنا پیچھا چھڑوایا یہ وہی سال ہے۔ جس سال شہاب الدین لاہور سے آگے نہیں بڑھا تھا۔ اور حضرت پیر مکی نے خسرو ملک سے فرمایا تھا کہ اس سال یہ بلاٹل جائے گی۔ سلطان 580ھ میں پھر لاہور آیا اور اِس نے ہندوستان میں خاندان غزنویہ کا خاتمہ کر دیا۔

☆ بزرگان لاہور کے مطابق شیخ عزیز الدین المشہور بہ "پیر مکی" 574ھ 1178ء میں سلطان شہاب الدین غوری کے محاصرہ کے ایام میں لاہور تشریف لائے۔ اِس محاصرے سے خسرو ملک بن ظہر الدولہ خسرو شاہ جو سلطان محمود غزنوی کی اولاد سے لاہور کا فرمانروا تھا بہت تنگ ہوا۔ اور "پیر مکی" کے پاس دُعا کیلئے حاضر ہو کر عرض کی آپ نے فرمایا کہ چھ (6) برس تک تجھے حق کی طرف سے امان ہے۔ پھر یہاں غوری بادشاہوں کا قبضہ ہو

جائے گا۔ پس اُس برس سلطان شہاب الدین غوری بے نیلِ مرام لاہور سے واپس چلا گیا۔

پھر 580ھ میں سیالکوٹ کے راستے لاہور آیا۔ شہاب الدین غوری نے پہلے سیالکوٹ میں قلعہ تعمیر کروایا۔ بعد ازاں لاہور کا محاصرہ کر لیا۔ اور پھر اُسے فتح حاصل ہوئی۔ اور پھر خاندان غزنوی کی حکومت زوال پذیر ہوئی۔ حضرت ''پیر مکی'' لاہور میں چھتیس (36) برس تک درس و تدریس اور تلقین میں مشغول رہے۔ اور خلق کثیر کو واصل بحق کیا۔ آخر وہ وقت آ گیا جس سے نہ کوئی پیغمبر بچ سکا ہے اور نہ کوئی ولی بزرگ پھر آپ نے 612ھ 1215ء میں وصال فرمایا۔

تاریخ وصال از مفتی غلام سرور مرحوم:

زدنیا چوشد در بہشت معلے	شہ دین وشیخ زمن پیر مکی
وصالش بگو ''آفتاب حسین''	بخواں نیز ''پیر حسن پیر مکی''
612ھ	612ھ

☆ تذکرہ اولیائے لاہور میں علامہ عالم فقری لکھتے ہیں کہ حضرت عزیز الدین پیر مکیؒ لاہور کے اکابر اولیاء سے ہیں۔ اللہ کے اس ولی کو جو کچھ ملا وہ خانہ خدا سے ملا۔ اللہ کے اس محبوب بندے نے بارہ 12 سال خانہ خدا میں سجدہ ریزیوں میں گذارے صبر و شکر سے کام لیا۔ شب سحری میں اللہ کے حضور گریہ زاریاں کیں اور دن رات یاد الٰہی میں بسر کر دیئے آخر ایک روز ندائے غیبی سے اشارہ ہوا کہ جا تو میرا دوست ہے اور میں تیرا دوست ہوں۔ تو میرے محبوب کا شیدائی جا دینا تیری شیدائی بنے گی تو نے میرا نام ورد زبان کیا جا میں نے تیرا نام دنیا میں بلند کیا آخر یہ اللہ کا ولی فضل باری تعالیٰ سے اکمل ہوا۔ یہ وہی فضل خداوندی ہے آج بھی پیر مکیؒ کے در پر چشمہ فیض جاری ہے۔

آپ مکہ میں بارہ سال گذارنے کی وجہ سے پیر مکیؒ مشہور ہوئے۔ آپ کے والد کا نام سید عبداللہ تھا۔ جو زاہد و عابد خدا کا نیک بندہ تھا۔ آپ کے والد بغداد کے ایک نواحی گاؤں میں رہتے تھے اور تجارت کرتے تھے۔ مالی حالت کچھ اچھی نہ تھی اس ماحول میں حضرت عزیز الدین کی پرورش ابتدا میں معمولی دین تعلیم سے ہوئی۔ بغداد میں آپ کا آنا جانا رہتا تھا یہاں ایک روز آپ کی ملاقات ایک اللہ والے سے ہوئی۔ انہوں نے آپ کو نصیحت کی کہ بیٹا

اگر تجھے خدا مل گیا تو سمجھ دنیا کی ہر چیز مل سکتی ہے چنانچہ یہ نصیحت آپ کا کام تمام کر گئی پھر اُسی روز سے آپ آخرت کے طالب اور حب الٰہی کی راہ پر گامزن ہو گئے دن رات یاد خدا میں مصروف رہئے آخر ایک روز راہ حق کی مشقت رنگ لے آئی۔ اور آپ ولی کامل بن گئے۔

ایک روز آپ کو اشارہ غیبی بایمائے ربانی ہوا کہ ہندوستان میں جا کر تبلیغ کریں۔ چنانچہ آپ ارشاد ربانی پانے پر مکہ معظمہ سے جدا ہوئے مکہ سے مدینہ منورہ آئے پھر روضہ رسولؐ پر حاضری دینے کے بعد آپ منزل بہ منزل سیر و سیاحت کرتے ہوئے بغداد آئے۔

چند روز قیام کے بعد 574ھ کے آخر میں روانہ ہندوستان ہوئے اور سفری مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے 575ھ کے شروع میں لاہور پہنچے۔

شروع میں آپ نے اپنی رہائش کے لیے کچی مٹی کا ایک حجرہ بنایا اور اس میں دن رات گذارتے جو بارگاہ رب العزت کی طرف سے مل جاتا اس پر قناعت کرتے بعد اس کے لوگ آہستہ آہستہ آپ کی جانب مائل ہونے لگے بے شمار بیماروں کو آپ کی دعا سے صحت حاصل ہوئی۔ غم زدہ اور مصیبت زدہ لوگوں کے دکھ کا مداوا ہوئے۔ بے شمار مخلوق خدا آپ سے مستفید ہوئی۔ طالبان سلوک کو راہ حق ملا۔ آخری عمر میں آپ کی بزرگی کی بے پناہ شہرت ہوئی۔ آپ گاہے بگاہے حضرت داتا گنج بخشؒ کے آستانہ پر حاضری دیتے رہتے تھے۔ آپ کا مشرب صوفیانہ تھا پابند صلوم وصلوۃ تھے۔ آپ نے اپنے ہجرے کے سامنے سایہ دار درخت لگائے گرمیوں میں ان کے نیچے دن کا بیشتر حصہ گذارتے آپ راتیں یاد الٰہی اور دن مخلوق خدا کی خدمت میں گزرتے۔

☆ تاج الدین حسن بن نظامی تاج الماشر تحریر فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں شہر لاہور مرکز اہل بر و تقویٰ و منشاء اصحاب فضل و فتویٰ و مامن زہاد و عباد اور مسکن اخطاب و اوتاد بن چکا تھا اور اس شہر کی نوے فیصد آبادی علم کے زیور سے مالا مال تھی اس شہر میں فخر مدبر (مبارک شاہ) اور تاج الدین حسن نظامی جیسے محققین اور مورخین سید احمد توختہ ترمذی جیسے اولیاء اصفیاء مقیم تھے۔ ان کے علاوہ بے شمار شاعر ادیب اور فاضل موجود تھے۔ جن کے کارناموں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ اس زمانے میں لاہور میں اس قدر کتب خانے تھے کہ فخر مدبر (مبارک شاہ) نے صرف ایک کتاب ترتیب دینے کے لیئے اس

شہر کے کتب خانوں کی ایک ہزار کتابوں سے مواد حاصل کیا تھا۔

☆ تذکرہ پیر مکیؒ میں لکھا ہے کہ آپ مکہ معظمہ سے تمام ممالک اسلامیہ کی سیر و سیاحت کرتے حسب القائے ربانی ''مدینۃ الاولیاء لاہور'' تشریف لائے۔ یہ اندازاً 575 ہجری بمطابق 1179 عیسوی کا زمانہ تھا۔ جب کہ لاہور کا حاکم خسرو ملک تاج الدولہ غزنوی تھا۔ جو خاندان غزنویہ کا آخری حکمران تھا۔

تحقیقات چشتی میں لکھا ہے کوئی آپ کو حضرت علی ہجویریؒ کا استاد بتاتا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ آپ سلطان محمود غزنوی کے ساتھ لاہور تشریف لائے جبکہ صحیح بات کے متعلق کچھ پتہ نہیں......؟

عام لوگ آپ کو حضرت داتا علی ہجویریؒ کا استاد خیال کرتے ہیں۔ مشہور ہے کہ پہلے ''پیر مکی'' حاضری دی جائے اور بعد میں حضرت داتا علی ہجویریؒ کے مزار شریف پر حاضری ہو۔ جبکہ عقیدت مندوں کی اکثریت اِس پر عمل پیرا ہے۔ البتہ قدیم تاریخی کتابوں میں ایسی کسی بات کا ذکر نہیں ملتا۔ لیکن اب بھی عقیدت مندوں کی اکثریت پہلے آپ کے مزار شریف پر حاضری دے کر حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار مبارک پر حاضری دیتی ہے۔

☆ بعض لوگوں کے مطابق آپ مکی کو بہت پسند فرماتے تھے۔ اور کیا عجب مضحکہ خیز بات ہے کہ لوگ ''پیر مکی'' کو ''غلہ'' ''مکی'' پسند سمجھ کر یہ غلہ یعنی ''مکئی'' بھنا کر چھڑھاوا چڑھاتے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ پیر موصوف ''مکہ'' کی نسبت سے ''مکی'' کہلاتے ہیں۔

حضرت پیر مکیؒ کا مزار شریف حضرت داتا علی ہجویریؒ کے مزار شریف (بھاٹی دروازہ) سے مینار پاکستان کی جانب راوی روڈ پر بائیں جانب پیر مکی سٹاپ سے چند قدموں کی مسافت پر واقع ہے۔ جبکہ پیر مکی سٹاپ اور گوروں کے قبرستان کے پاس ایک مکان واقع ہے یہاں تکیہ پیر مکی میں کنواں اور اکھاڑہ اور مسجد ہے گو یہاں حضرت پیر مکیؒ کا مزار شریف موجود نہیں لیکن یہ مشہور اسی نام سے ہے۔ آپؒ کا عرس شریف ہر سال 10-11 ربیع الاوّل کو ہوتا ہے۔ جمعرات کو یہاں خوب رونق ہوتی ہے۔ مزار شریف محکمہ اوقاف کے زیر کنٹرول رہا ہے۔

حضرت شیخ حسینؒ

حضرت شیخ حسین 945ھ 1555ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ایک روایت کے مطابق اس وقت آپ کی رہائش گاہ ٹکسالی دروازے کے باہر ایک محلہ میں تھی۔آپ کا اسمِ گرامی حسین ہے۔لیکن آپ نے مادھولال حسین کے نام سے شہرت پائی۔آپ ہندو راجپوت خاندان سے تھے۔آپ کے والدِ گرامی کا نام ''کلسن رائے'' تھا۔جنہوں نے سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد میں اسلام قبول کیا۔اور نام ''کلسن رائے'' سے بدل کر شیخ عثمان رکھا۔

☆ حضرت شیخ حسین سات (7) سال کی عمر میں باقاعدہ مکتب جانے لگے۔ حافظ ابوبکر کے مدرسے میں جو ٹکسالی دروازے کے محلے میں مسجد سے ملحقہ تھا سے چھ (6) سپارے حفظ کیے۔مگر تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ایک روز مکتب میں درس لے رہے تھے کہ حضرت بہلول مسجد میں تشریف لائے۔(آپ قطبِ زماں تھے) آپ کو حضرت امام رضا کے مزار سے حکم ملا تھا کہ لاہور جا کر شیخ حسین کی راہنمائی فرمائیں۔چنانچہ آپ لاہور تشریف لائے اور حافظ ابوبکر کے مدرسے آ کر شیخ حسین سے ملاقات کی پھر آپ نے شیخ حسین کو دریائے راوی سے وضو کے لئے پانی لانے کو کہا۔آپ نے حکم کی تعمیل کی حضرت بہلول نے وضو فرمایا اور دو رکعت نماز ادا کر کے آپ کے لئے دعا فرمائی ''یا الٰہی اس بچے پر کرم کر اس کو علم و عرفان کی دولت سے مالا مال کر اور اپنا سچا عاشق بنا۔'' پھر آپ نے حافظ ابوبکر سے مخاطب ہو کر فرمایا ماہِ رمضان قریب ہے۔اس سال رمضان شریف میں شیخ حسین قرآن شریف سنائیں گے۔یہ سن کر شیخ حسین نے حضرت بہلول سے عرض کی کہ یہ کیسے ممکن ہے مجھے تو صرف چھ سپارے حفظ ہیں۔آپ نے فرمایا فکر مت کر انشاء اللہ تم ضرور قرآن شریف سناؤ گے اور پھر فرمایا کہ دریائے راوی سے ہمارے لئے پانی لاؤ اور خیال رکھنا وہاں تمہیں ایک بزرگ ملیں گے ان کی ہدایت پر عمل کرنا۔دریا پہنچے تو دیکھا کہ ایک بزرگ نورانی صورت وہاں پہلے سے موجود ہیں جیسے آپ کے منتظر ہوں (جو حضرت خضر علیہ السلام تھے) اور آپ کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ لوٹے کا پانی میرے ہاتھ پر ڈال آپ نے ایسا ہی کیا۔ پھر حضرت خضرؑ نے خوش ہو کر آپ کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اس کی برکت سے آپ نے اسی سال رمضان المبارک میں قرآن پاک سنایا۔حضرت شیخ بہلول نے شیخ حسین کو امام

بنایا مرید کیا اور خرقہ خلافت سے نوازا پھر اپنا کام پورا کر کے رخصت ہوئے۔ جاتے ہوئے حضرت داتا گنج بخش کے مزار شریف پر پابندی سے حاضری کی وصیت فرمائی۔

☆ حضرت شیخ حسین نے چھبیس (26) برس عبادت، ریاضت اور مجاہدے میں گزارے۔ آپ ہر روز ایک قرآن پاک ختم کرتے اور حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار شریف پر باقاعدہ حاضری دیتے۔ بارہ برس باقاعدہ حاضری کے بعد آپ کو اس کا صلہ ملا۔ ایک شب آپ حسبِ معمول مزار شریف پر حاضر تھے کہ ایک نورانی صورت نمودار ہوئی۔ پھر آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''میں علی ہجویریؒ ہوں اور آپ کے حال پر نہایت لطف و کرم فرمایا اور نعمتِ باطنی سے مالا مال کر دیا''۔ ایک روز آپ شیخ سعد اللہ سے تفسیر مدارک کا درس لے رہے تھے جب ایک آیت تک پہنچے جس کا ترجمہ یہ تھا:

اس جہان کی زندگی لہو ولعب ہے

☆ آپ نے شیخ سعد اللہ سے اس کی وضاحت اور تشریح بیان کرنے کی درخواست کی۔ انہوں نے فلسفیانہ اور عالمانہ طریقے سے آپ کو سمجھایا اور اس بات پر زور دیا کہ یہ تمام دنیا ہی لہو ولعب (کھیل تماشہ) ہے۔ اس پر آپ پر وجدانی کیفیت طاری ہوگئی اور رقص کرنے لگے۔ اور پھر یہ کہتے ہوئے مکتب سے نکلے کہ جب خدا تعالیٰ نے ساری دنیا کو (کھیل تماشہ) فرمایا ہے تو بس اس میں مصروف رہنا چاہیے۔ آپ فرماتے ہیں۔ ''جب علم کے ساتھ عمل نہ ہو تو اس علم سے ناچنا کودنا بہتر ہے، میں نہ مقیم ہوں نہ مسافر، نہ مسلمان ہوں نہ کافر'' اور پھر کتابیں ایک کنویں میں ڈال دیں، داڑھی اور مونچھیں صاف کروا دیں۔ شراب کا جام آپ کے ہاتھ میں ہوتا اور آپ لاہور شہر کے گلی کوچوں اور بازاروں میں نشے کی حالت میں سرِ عام رقص کرتے پھرتے۔ طوائفوں کے کوٹھوں پر جاتے ناچ گانے میں ہمہ تن گوش رہتے اور محفلِ نشاط میں شریک ہوتے اسوقت ہندوستان پر مغل شہنشاہ جلال الدین اکبر کی حکومت تھی۔ ایک روز شہنشاہ تختِ شاہی پر جلوہ افروز تھا کہ شاہی جاسوسوں نے اطلاع دی کہ عالم پناہ لاہور میں شیخ حسین نام کا ایک شخص جو خود کو درویش کہتا ہے۔ مگر اس کی یہ درویشی سادہ لوح اور بے خبر مسلمانوں کو گمراہی کی طرف لیجا رہی ہے۔ اس درویش نے داڑھی منڈوا رکھی ہے۔ لباس سرخ پہنتا ہے اور ایک خوبصورت ہندو لڑکے مادھو کے ساتھ

شراب پی کر سرِ بازار رقص کرتا ہے۔ حالانکہ شہنشاہ جلال الدین اکبر خود داڑھی بھی منڈواتا تھا اور شراب بھی پیتا تھا خلوت میں حسین وجمیل عورتوں کے رقص بھی دیکھتا تھا اور......؟ شہنشاہ نے فوراً کوتوالِ شہر لاہور ملک علی کے نام فرمان شاہی جاری کیا کہ شیخ حسین کو پابہ زنجیر کر کے آگرہ بھیجا جائے۔ فرمانِ شاہی موصول ہوتے ہی شیخ حسین کی گرفتاری کے لئے شہر بھر میں اپنے جاسوس پھیلا دیئے۔ جہاں اطلاع ملتی کہ شیخ حسین لاہور کے فلاں چوراہے پر خوبصورت ہندو زادے مادھو کے ساتھ بدمستی کی حالت میں رقص کررہا ہے کوتوال اپنے سپاہیوں کے ہمراہ فوراً برق رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر اس مقام تک پہنچتا تو شاہی جاسوس بھی موجود ہوتے اور راہ گیر تماشائی بھی کھڑے ہوتے مگر شیخ حسین اور مادھولال غائب ہوتے اور شاہی جاسوس قسمیں کھاتے کہ وہ دونوں ابھی یہاں تھے۔ راہ گیر تماشائی بھی تصدیق کرتے۔ ہر اطلاع پر کوتوال فوراً پہنچتا اور آپ نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔ آخر تنگ آکر کوتوال شہر ملک علی نے مایوسی کے عالم میں جلال الدین اکبر کے نام شیخ حسین کے اچانک غائب ہو جانے والی تفصیل تحریر کی۔ عبداللہ بھٹی جو تاریخ میں دُلا بھٹی کے نام سے مشہور ہے حکومتِ وقت کا باغی تھا۔ شہنشاہ جلال الدین اکبر کا حکم تھا کہ عبداللہ بھٹی کو گرفتار کر کے سرِ عام پھانسی دی جائے اور پھانسی سے پہلے وہ جو کچھ کہے اسے تحریر کر کے شہنشاہ کی خدمت میں ارسال کیا جائے۔

☆ کوتوال شہر ملک علی نے عبداللہ بھٹی کو گرفتار کر لیا۔ شہر میں منادی ہوئی کہ دُلا بھٹی کا انجام دیکھنے کے لئے لوگ بازارِ نخاس (گھوڑے، اونٹ، بیل وغیرہ کی خرید وفروخت کا بازار) میں جمع ہوں۔ بازار نخاس میں یہ منظر دیکھنے کے لئے ہزاروں لوگ جمع تھے اس انسانی ہجوم میں شیخ حسین ایک حسین لڑکے کو دیکھنے میں محو تھے یہ خوبصورت لڑکا باغی عبداللہ بھٹی (دُلا بھٹی) کا بیٹا تھا جو اپنے باپ کو اس حالت میں دیکھ کر زاروقطار رو رہا تھا۔ شیخ حسین اپنے گردوپیش سے بے خبر دُلا بھٹی کے خوبصورت بیٹے کو دیکھے جارہے تھے کہ ایک شاہی جاسوس نے آپؒ کو پہچان لیا اور پھر کوتوال کے ایک اشارے پر سپاہیوں نے آپ کو گھیرے میں لے لیا۔ پھر کوتوال قریب آیا اور کہنے لگا بہت شعبدہ بازیاں دکھاتا تھا۔ اب دکھا اپنا جادو اور ہو جا فرار میری قید سے۔ شیخ حسین نے فرمایا کہ ہم نے خود اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا ہے اور اس میں بھی خدا کی قدرت کا ایک راز پوشیدہ ہے۔ ملک علی نے زوردار قہقہہ

لگا کر کہا کہ قانون کی گرفت میں آنے والا ہر مجرم یہی کہتا ہے۔ دُلا بھٹی کی پھانسی کا منظر دیکھنے والے اس منظر کی جانب متوجہ ہوئے۔ لوگوں کی اکثریت شراب پی کر ڈھول کی تھاپ پر رقص کرنے والے اس درویش سے واقف تھی۔ سپاہی شیخ حسین کو زنجیروں میں جکڑ رہے تھے جبکہ زنجیریں ٹوٹ کر زمین پر پڑ رہی تھیں۔ شیخ حسین کھڑے مسکرا رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر ملک علی غضبناک ہوگیا۔ پھر آپ کو دوبارہ زنجیریں پہنائی گئیں وہ بھی ٹوٹ گئیں۔ ہر بار ایسا ہونے پر کوتوال غضبناک لہجے میں چلایا اگر تم نے اس مرتبہ بھی اپنے جادو کے زور سے زنجیریں توڑیں تو میں تیرے پاؤں میں آہنی میخیں ٹھونک دوں گا۔ آپ یہ بات سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ ہماری آنکھیں تو کچھ اور ہی منظر دیکھ رہیں ہیں، ہمیں ہاتھوں کی زنجیریں اور پیروں کی بیڑیاں پھولوں کے ہار نظر آرہے ہیں جبکہ کچھ نادیدہ ہاتھ تیرے سر میں آہنی میخیں ٹھونکتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ ملک علی چلایا کہ اب تو میں تیری آنکھوں میں بھی لوہے کی گرم آہنی سلاخیں پھرواؤں گا۔ پہلے دُلا بھٹی کو انجام تک پہنچالوں پھر تیری باری ہے۔ اور سپاہی آپ کو قید خانے کی جانب لے گئے۔

☆ دُلا بھٹی اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا اور اسے موت قریب نظر آرہی تھی۔ پس وہ مشتعل ہوکر مغلظات بکنے لگا۔ اسے جس قدر گالیاں یاد تھیں وہ تمام اس نے شہنشاہِ ہند کو دے ڈالیں۔ پھر شاہی جلادوں نے اسے انجام تک پہنچا دیا۔ دُلا بھٹی کو پھانسی اور شیخ حسین کو زندان تک پہنچانے کے بعد کوتوال نے شہنشاہِ ہند کے نام ایک طویل خط تحریر کیا۔ جس میں وہ شاہی فرمان کی نزاکت کو سمجھنے سے قاصر رہا اور جوش میں وہ تمام بے ہودہ الفاظ پوری تفصیل کے ساتھ لکھ گیا جو دلا بھٹی نے پھانسی سے پہلے شہنشاہ جلال الدین اکبر کے لئے استعمال کئے تھے۔ مزید شیخ حسین کی گرفتاری کا تمام واقعہ بھی تحریر کیا۔ شہنشاہ کوتوال شہر لاہور کا خط سن کر شدتِ غضب سے کانپ اٹھا اور اپنی نفرت کا اظہار کرتے ہوئے ایک معتمدِ خاص کو لاہور کا کوتوال نامزد کیا اور ملک علی کی موت کا فرمان یوں جاری کیا کہ اس نانجار کے دماغ میں اتنی میخیں ٹھونکی جائیں کہ وہ تڑپ تڑپ کر مرے۔

☆ ایک بار باشندگان لاہور کو بازارِ نخاس میں اسلیئے جمع کیا گیا تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے حکومت کے باغی دُلا بھٹی کا انجام دیکھ سکیں۔ دوسری بار وہی بازارِ نخاس تھا اور وہی تماشائی مگر کردار و انداز مختلف تھا۔ پھر ہزاروں لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ملک علی

کوتوال شہر کے دماغ میں آہنی میخیں ٹھونکی گئیں اور اس کی دردناک چیخیں پورے بازارِ نخاس میں گونج رہی تھیں۔ اس وقت لاہور کے شہریوں کو درویش شیخ حسین کی بات یاد آئی۔

☆ ایک روز لاہور کے قاضی نے آپ کو ڈھول کی تھاپ پر رقص کرتے دیکھا۔ مخدوم الملک کو یہ بات ناگوار گزری اور آپ کو سرزنش کرنا چاہی آپ نے قاضی لاہور سے کہا ''قاضی صاحب ارکان اسلام پانچ ہیں، پہلا کلمہ توحید اور رسالت کا اقرار جسمیں ہم دونوں شریک ہیں، دوسرا نماز اور تیسرا روزہ ان دونوں کو میں نے ترک کیا۔ چوتھا زکوٰۃ پانچواں حج ان دونوں کو تم نے ترک کیا۔ پر کیا بات ہے کہ حسین ہی کو فقط مستوجبِ سزا اقرار دیا جائے۔'' قاضی صاحب یہ سن کر مسکرائے اور چل دیے۔

☆ شہنشاہ ہند جلال الدین اکبر نے عبدالرحیم خان خاناں کو ملک ٹھٹھہ کی تسخیر پر مامور کیا تو عبدالرحیم خان خاناں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور فتح کیلئے دُعا کیلئے عرض کی حضرت شیخ حسین نے فرمایا کہ پانچ سو روپے کے عوض یہ ملک تیرے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اب کسی اور سے مدد نہ مانگنا۔ چنانچہ وہ آپ سے رخصت ہو کر ملتان آیا اور شیخ کبیر بالا پیر سجادہ نشین مزار حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی خدمت میں حاضر ہوا اور نظرانہ نذر کیا لیکن شیخ موصوف نے اسے قبول نہ کیا۔ اور فرمایا کہ ملک ٹھٹھہ تجھے شیخ حسین لاہوری کی دُعا سے عطا ہو چکا ہے۔ مجھے نذرانہ لینے کی حاجت نہیں۔

☆ ایک مرتبہ ایک کیمیا گر ایک تولہ اکسیر بنا کر آپ کے پاس لایا۔ آپ نے اُسے دیکھ کر فرمایا کہ اے بیوقوف تو نے ناحق اتنی محنت اٹھائی یعنی پہلے سیماب لایا اور جنگل میں بوٹیوں کی تلاش میں پھرا۔ اوپلوں اور پلوں کا دھواں کھایا اور پھر بہزار محنت اکسیر بنائی۔ وہ شخص جو بڑے فخر سے آپ کے پاس گیا تھا یہ سن کر بڑا شرمندہ ہوا۔ حضرت شیخ حسین نے اس کا ہاتھ پکڑا اور گوشہ محفل میں لے جا کر بڑا شرمندہ ہوا۔ حضرت شیخ حسین نے اس کا ہاتھ پکڑا اور گوشہ محفل میں لے جا کر اس کے روبرو بول کیا۔ قدرت الٰہی سے جہاں آپ کا بول گرا وہ جگہ تمام طلا ہوگئی۔ وہ شخص یہ حال دیکھ کر نہ صرف شرمندہ ہوا بلکہ آپ کا مرید ہوا۔

☆ شہزادہ دارا شکوہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے بابا شہنشاہ اکبر نے اپنے وزیر کو لاہور میں آپ کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ شیخ حسین غیر شرع ریش (داڑھی) معرض رکھتے ہیں۔ اس پر ان کو تعزیر کر جب وہ وزیر حضرت کے روبرو آیا تو آپ نے اپنی معرض ریش

مبارک کو ہاتھ میں پکڑ کر اسی وقت دراز کر دکھایا اور جو چیزیں وہاں از قسم شراب وغیرہ مسکرات موجود تھیں وہ سب دودھ بن گئیں۔ یہ دیکھ کر وزیر جو تعزیر کرنے آیا تھا مرید باخلاص بن گیا۔

☆ ایک مرتبہ شراب پینے کی شکایت پر شہنشاہِ ہند جلال الدین اکبر نے آپ کو دربار میں بلایا اور دریافت کیا "اے درویش! سنا ہے تم خدا رسیدہ ہو۔ آپ نے جواب دیا اس میں کیا شک ہے، شہنشاہِ ہند نے پوچھا یہ تو بتایئے کہ آپ خدا تک کس طرح پہنچے......؟ آپ نے فرمایا کہ اے بادشاہ! میں خدا تک نہیں پہنچا بلکہ خدا مجھ تک پہنچا ہے"۔ ایک درباری نے اس کا ثبوت مانگا۔ آپ نے شہنشاہ جلال الدین اکبر سے مخاطب ہو کر فرمایا "اے ہندوستان کے سیاہ وسفید کے مالک موٹی سی بات ہے اگر آپ نہ چاہتے تو یہ گدا آپ تک کیسے پہنچتا۔" شہنشاہِ ہند جواب پا کر خوش ہوا اور آپ کو عزت واحترام سے رخصت کیا۔

☆ جس وقت آپ نے مکتب چھوڑا تو ساری کتابیں کنویں میں ڈال دیں آپ کے ساتھیوں نے کتابیں آپ سے طلب کیں آپ کنوئیں کے پاس گئے اور فرمایا کہ وہ کتابیں واپس کر دے۔ یکا یک پانی اوپر تک آ گیا اور کتابیں اوپر تیرنے لگیں۔ آپ نے کتابیں ساتھی طالبعلموں کو دے دیں جن کو پانی نے چھوا تک نہ تھا۔

☆ ایک مرتبہ موضع منڈیا کے نمبردار سردار بہادر خاں نے آپ کے ساتھیوں کو اپنی حویلی میں بند کر دیا اور کہا کہ جب تک بارش نہیں ہوگی رہائی ممکن نہیں۔ آپ نے کہا میرے دوستوں کو بلاؤ میں بارش کے لئے دعا کروں گا۔ پھر آپ نے سردار بہادر خاں سے کہا کہ تم نے ہمارے دوستوں کو اذیت پہنچائی ہے اسلئے نانِ مرغن اور شیر وشکر کا انتظام کرو۔ میرے دوست خوش ہوئے تو اللہ تعالیٰ بھی تم پر مہربان ہو جائے گا اور دریائے راوی کے کنارے تشریف لے گئے۔ کچھ دیر بعد سردار بھی مطلوبہ اشیاء لے کر پہنچ گیا۔ قحط سالی کے مارے کسان اور مزدور بھی بارش کی آس لگائے راوی کے کنارے جمع ہو گئے جو تقریباً خشک ہو گیا تھا۔ جب آپ اور آپ کے دوستوں نے کھانا کھا لیا تو آپ نے آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا "اے خدا! اپنے بندوں کی خطاؤں کو درگزر فرما کہ رحمت وستاری ہی تیری شان ہے۔ ابرِ کرم کو برسنے کا حکم دے۔" دریائے راوی کے کنارے موجود لوگوں کی سماعتوں میں ابھی آپ کے الفاظ کی گونج باقی تھی کہ یکا یک تیز ہوائیں چلنے لگیں اور موسلا دھار بارش شروع ہوئی، خشک دریا بہنے لگے۔ تمام علاقے جل تھل ہو گئے اور پیاسی زمین سیراب ہو گئی۔

☆ ایک شخص حاجی یعقوب مدنی نے شیخ حسین کو مدینہ منورہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کے سامنے دیکھا کرتا تھا۔ ماہ و سال گزرتے رہے پھر یہ شناسائی دوستی میں بدل گئی۔ اتفاق سے حاجی یعقوب مدنی ایک مرتبہ لاہور آیا۔ ایک روز انہوں نے شیخ حسین کو سرِ بازار رقص کرتے دیکھا اور پہچان لیا کہ یہ وہی شیخ حسین ہیں جن سے مدینے میں ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ حاجی یعقوب مدنی کو آپؒ کو اس حالت میں دیکھ کر سخت اذیت ہوئی۔ اور جب شیخ حسین اپنا رقص ختم کر کے جانے لگے تو حاجی یعقوب مدنی آپ سے مخاطب ہوئے حسین یہ تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے۔ عرب میں تم بہت پرہیز گار مشہور تھے اور ہندوستان میں یہ رنگ......؟ شیخ حسین بھی یعقوب مدنی کو پہچان گئے۔ آپ نے فرمایا کہ آنکھیں بند کر اور دیکھ......! آنکھیں بند کرتے ہی یعقوب مدنی نے آپ کو عارفانہ لباس میں دیکھا اور اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کے سامنے معتکف پایا اور گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ شیخ حسین نے فرمایا کہ جو کچھ تمہاری آنکھوں نے دیکھا اُسے ہمیشہ اپنے سینے میں محفوظ رکھنا۔ مگر حاجی یعقوب مدنی آپ کی تنبیہ کے باوجود شدتِ جذبات سے مجبور ہو کر راز فاش کر بیٹھا تو آپ فوراً حاجی یعقوب اور انسانی ہجوم کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ پھر حاجی یعقوب نے آپ کو بہت تلاش کیا مگر آپ نہ ملے۔ بالآخر عرب واپس لوٹ آیا۔ اور سیدھا خانہ کعبہ حاضر ہوئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت شیخ حسین دنیا و مافیہا سے بے خبر طوافِ کعبہ میں مشغول تھے۔ حاجی یعقوب مدنی یہ دیکھ کر آپ کے قدموں میں گر پڑے اور آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔

☆ روایت ہے کہ گوجر خان نامی ایک نواب جس کے گھر اولاد نہ تھی اس کی بیوی ایک دن حضرت شیخ حسین کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ یا حضرت میرے گھر اولاد نہیں۔ مجھ پر مہربانی فرمائیں اور دعا کریں کہ اولاد ہو۔ آپ نے فرمایا اچھا ہم فلاں رات تمہارے گھر آئیں گے۔ اس رات تم خوب آرائش سے بار سنگھار کرنا۔ تمام رات ہم تیرے ساتھ ہم بستر ہوں گے اور شراب پیویں گے۔ پھر صبح غسل کر کے دعا کریں گے تو تیرے گھر بیٹا ہوگا۔ اس عورت نے قبول کرلیا۔ آپ مقررہ رات کو ان کے گھر تشریف لے گئے اور تمام رات شراب نوشی کرتے اور عاشقانہ شاعری پڑھتے رہے۔ جب اس عورت نے یہ حال دیکھا تو اپنے خاوند کی طرف سے خائف ہوئی اور اپنی کنیز کو نگرانی پر مامور کیا۔ وہ تمام

رات پہرہ پر رہی۔ پہر رات کو اسے شبہ ہوا کہ دیکھوں تو سہی یہ فقیر کس طرح ہم بستر ہوتا ہے۔ جب اس نے سوراخ سے دیکھا کہ آپ بشکل شیر خوار بچہ اس کے ساتھ لیٹے ہوئے ہیں اور اس کے پستان سے دودھ پی رہے ہیں۔ اس کو تسلی ہوئی۔ صبح ہونے پر آپ غسل فرما کر دعا دے کر چلے گئے۔ دوسرے دن اس عورت نے اپنے شوہر سے قربت کی اور حاملہ ہوگئی۔ مدتِ مقررہ کے بعد اس عورت کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ بعدازاں اس کے شوہر کو یہ خبر ہوئی کہ حضرت شیخ حسین میرے گھر آکر شب باش ہوئے تھے۔ اور ان کی توجہ سے ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ یہ بات سن کر اگرچہ اسے غصہ تو بہت آیا۔ تحقیقاتِ چشتی کے مطابق حضرت شیخ حسین کو قتل کرنے پر بھی آمادہ ہوا۔ مگر دانا تھا سوچا کہ امتحان کے بعد قتل کرنا چاہئے۔ یہ سوچ کر اس شخص نے آپ کی ضیافت کی اور اس میں یہ تجویز کی آپ کو زہر ھلاھل کھلا دے اگر اس سے ان کو کچھ اثر ہوا تو خیال کروں گا کہ شیخ حسین زانی ہے اور پھر بدلہ لوں گا ورنہ خیر۔ نواب اس خیال سے چند بوتلیں زہرِ ھلاھل کی گھر میں لے آیا اور آپ کی ضیافت کی۔ جب آپ آئے تو آتے ہی فرمایا کہ شراب لاؤ۔ نواب نے ایک جام زہر ھلاھل کا آپ کی نذر کیا۔ آپ نے لیکر جھٹ پی لیا اور فرمایا کہ اے گوجر خان یہ تو پانی ہے اور ہم نے تو تم سے شراب مانگی تھی۔ پھر گوجر خان نے ایک جامِ زہرِ ھلاھل کا اور آپ کو دیا آپ نے وہ بھی غٹاغٹ پی لیا۔ اور آپ نے وہ تمام بوتلیں زھر کی نوشِ جاں کیں۔ اور کچھ اثر نہ ہوا۔ یہ واقعہ دیکھ کر گوجر خان بجان خادم جانثار ہوا۔

☆ خزینۃ صوفیاء میں مفتی غلام سرور کے مطابق جلال الدین اکبر شہنشاہ ہند نے ایک مرتبہ شیخ حسین کو ملاقات کی دعوت بھیجی آپ نے فرمایا کہ تمہارے شہنشاہ کو ہماری بزرگی کی ادا پسند نہ آئے گی۔ مگر آپ اصرار پر چلے گئے۔ جسوقت آپ دربار میں تشریف لائے تو آپ کے ایک ہاتھ میں شراب کی بوتل تھی تو دوسرے ہاتھ میں جام۔ مصاحبون نے اپنی اپنی بولیاں بولیں۔ لیکن شہنشاہ نے اس موقع پر صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا اور بولا اے فقیر یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ تم سلسلہ قادریہ میں بیعت ہو۔ آپ نے براہِ راست جواب نہ دیا بلکہ صراحی سے ایک جام بھرا اور شہنشاہِ ہند کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا خود دیکھ لیجئے کہ یہ کیا ہے۔ جلال الدین اکبر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس جام میں تو ٹھنڈا پانی تھا۔ پھر دوسرا جام بھر کر شہنشاہ کی طرف بڑھایا وہ خالص دودھ سے بھرا ہوا تھا۔ بوتل ایک ہی تھی مگر ہر بار اس میں

سے نئی چیز برآمد ہوتی تھی۔ شہنشاہِ ہند کے ساتھ وہ مصاحبین بھی دنگ رہ گئے۔
حقیقت الفقراء کے مولف شیخ پیر محمد تحریر فرماتے ہیں کہ شہنشاہ جلال الدین اکبر آپ کے اس عمل سے مطمئن نہ ہوا اور اس نے اپنے شراب خانے سے شراب کی ایک صراحی اور آٹھ پیالے منگوائے۔ یاد رہے کہ اورنگ زیب عالمگیر کے سوا جلال الدین اکبر سمیت تمام مغل شہنشاہ شراب کے رسیا تھے۔ پھر صراحی اور آٹھوں پیالے شیخ حسین کے حوالے کر دیئے گئے۔ شیخ حسین نے شہنشاہ کے دیے ہوئے آٹھوں پیالے بھر دیے مگر ہر پیالے میں مختلف مشروبات تھے (پانی، دودھ، شربت، اور تازہ پھلوں کے جوس) اس کے باوجود جلال الدین اکبر مطمئن نہ ہوا اور کہنے لگا کہ کوئی اور کرامت دکھاؤ۔ آپ نے بے نیازانہ فرمایا جس طرح بادشاہ چاہے۔ پھر جب شہنشاہ نے آپ کو ایک کمرے میں بند کر دیا اور دروازے پر تالا لگا کر سخت پہرہ لگا دیا گیا۔ پھر جب شہنشاہِ ہند جلال الدین اکبر محل کی طویل راہداریوں سے گزر کر اپنے مخصوص کمرے میں پہنچا تو حیران رہ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ شیخ حسین اس کی بیگم "راجپوت" مہارانی اجودھا بائی کے ساتھ بیٹھے محوِ گفتگو ہیں۔ شہنشاہ فوراً بند کمرے کی طرف لوٹا پھر مقفل دروازہ کھولا گیا تو جلال الدین اکبر پر حیرت واستعجاب کا دورہ پڑا۔ یہاں حضرت شیخ حسین راہداری کے ایک ستون سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر شہنشاہِ ہند آپ کے قدموں میں گر گیا۔ آپ نے پر جلال آواز میں کہا بادشاہ ہمیں جانے دو ورنہ تمہاری سلطنت ایک آن میں برباد ہو جائے گی۔ حکمرانوں کو زیب نہیں دیتا کہ وہ فقیروں کو تکلیف پہنچائیں۔ پھر جلال الدین اکبر نے نہایت عزت و احترام کیساتھ آپ کو رخصت فرمایا۔ اور ہمیشہ آپ کا عقیدت مند رہا۔ علاوہ ازیں شہزادہ سلیم جو بعد میں نورالدین جہانگیر کے نام سے ہندوستان کا بادشاہ بنا اور دیگر بیگمات بھی آپ سے حد درجہ اعتقاد رکھتیں تھیں۔

☆ حضرت شیخ حسین حضرت حسن شاہ المشہور حضرت حسو تیلی کے ہم عصر تھے جو حضرت شاہ جمالؒ کے مرید خاص اور کمال درجہ کے بزرگ تھے جن کا ذکر حضرت شاہ جمالؒ کے مضمون میں تحریر ہے۔ حضرت حسو تیلیؒ اناج اور تیل کی تجارت کرتے تھے۔ اور دوکان چوک جھنڈا میں واقع تھی۔ حضرت شیخ حسن اکثر حضرت داتا علی ہجویریؒ کے مزار شریف پر حاضری کیلئے آتے تھے۔ اور جس راستے سے گزرتے تھے اس راستے میں شیخ حسو تیلی کی دوکان تھی۔ حضرت شیخ حسین اکثر مجذوبانہ کیفیت میں شور وغل کرتے ہوئے اس راستے سے

گزرا کرتے تھے۔ایک مرتبہ آپ عالم مستی میں یہاں سے گزر رہے تھے کہ شیخ حسو نے آپ کو روک لیا اور کہا کہ شور وغل مچاتے ہوئے یہاں سے نہ گزرا کرو اس وقت شیخ حسو تیلی کے پاس کچھ لوگ بیٹھے تھے۔جنہوں نے آپ کے بارے میں دریافت کیا تو شیخ حسو تیلی نے کہا کہ یہ فقیر ہے تو ان میں سے کسی نے کہا کہ اس فقیر کو میں نے کبھی ''مجلس نبوی'' میں نہیں دیکھا۔آپ نے اس بات پر توجہ نہ دی اور حسب معمول شور وغل کرتے ہوئے گزر گئے۔ ایک رات حضرت حسو تیلی مجلس نبوی میں حاضر تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ شیخ حسین حضور نبی کریمؐ کی گود مبارک میں بیٹھے ہوئے ہیں اور حضور نبی کریمؐ آپ سے پیار فرمارہے ہیں۔بعد ازاں آپ وہاں سے اٹھ کر شیخ حسو تیلی کی گود میں آبیٹھے اس لڑکے نے شیخ حسو تیلی کی داڑھی پر ہاتھ مار کر چند بال اکھاڑ لئے پھر ایک روز شیخ حسین حسب معمول شور وغل کرتے ہوئے اس راستے سے گزرے تو شیخ حسو تیلی نے کہا کہ بیٹے شور نہ کرو یہ سن کر آپ رُک گئے۔اور فرمایا کہ میاں تم اس بات سے باز نہیں آتے۔اور فرمایا کہ ادھر دیکھو جب شیخ حسو نے دیکھا تو شیخ حسین کے ہاتھ میں وہی بال پکڑے ہوئے تھے جن کو خواب میں شیخ حسو کی داڑھی سے ''مجلس نبوی'' میں نوچا تھا۔شیخ حسو یہ دیکھ کر پہچان گئے کہ یہ تو وہی لڑکا ہے جو حضور نبی کریمؐ کی گود میں بیٹھا ہوا دکھائی دیا تھا۔پھر شیخ حسو نے شیخ حسین کو گلے سے لگالیا۔اور کہا ''حسو حسین اور حسین حسو'' پھر کہا کہ جو شخص ہمارا خادم ہو وہ شیخ حسین کا ادب اسی طرح کرے۔

☆ روایتی تذکرہ نگاروں نے اپنی کتابوں میں شیخ حسین کو مادھو لال حسین کے نام سے یاد کیا ہے اور اس کی عالمانہ توجیہ یہ پیش کی ہے کہ دونوں بزرگ اپنی زندگی میں ایک تھے۔اور وصال کے بعد بھی ایک ہی مقام پر قریب قریب مدفون ہوئے۔اسلئے کتابوں میں بھی دونوں ناموں کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔جب آپ نے کوچہ ملامت میں قدم رکھا تھا اسوقت آپکی عمر مبارک 36 برس تھی۔اب آپ عمر کے 63 ویں برس میں تھے یعنی 29 برس سے سنگِ ملامت برداشت کررہے تھے،یادرہے کہ کوئے ملامت میں ایک دن گزارنا مشکل ہے۔

☆ **1008** ہجری **1618**ء بروز جمعۃ المبارک آپ اپنے دوستوں کے ہمراہ سیر کو نکلے اس روز خلافِ توقع آپ کے ہاتھ میں تیر کمان تھے راوی کنارے پہنچے اور دریا پار گئے پھر کچھ دیر بعد راوی کے کنارے ٹہلتے رہے اچانک آپ کے ہاتھ مبارک کو جنبش ہوئی۔آپ نے کمان کھینچی اور تیر چھوڑ دیا تمام لوگ حیرت زدہ تھے کہ شیخ حسین نے ترکش پر دوسرا

تیر چڑھایا اور اسے بھی چھوڑ دیا۔ ایک ہی نشانہ تھا۔ پھر تیسرا تیر بھی چھوڑا اور وہ بھی کم وبیش پہلے تیروں کے پاس جا کر گرا۔ اس عمل کے دوران حضرت شیخ حسین بالکل خاموش رہے۔ پھر ساتھیوں سے مخاطب ہوئے کہ جب حقیقی ساتھی اپنی طرف بلائے تو کیا کرنا چاہیے؟ جواب ملا کہ اگر دوست وصل کے ارادے سے بلائے تو جان کے ساتھ جانا چاہیے۔ پھر آپ نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور تبسم کیساتھ فرمایا تو پھر میرے دوستو الفراق! الفراق تمام احباب نے شدید حیرت کے عالم میں بیک زبان کہا۔ حقیقی دوست وصل کے لئے بلاتا ہے لو ہم جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر آپ برق رفتاری کے ساتھ اس جانب بڑھے جہاں چھوڑے ہوئے تینوں تیر زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ آپ دریائے راوی کے ریت پر قبلہ رو ہو کر لیٹ گئے۔ تمام ساتھی دم بخود کھڑے تھے۔ یکا یک آپ کی پرسوز آواز ابھری آپ نے توحید و رسالت پر گواہی دی۔ اور آنکھیں بند کر لیں ماہِ جمادی الثانی جبکہ سن عیسوی 1599 تھا۔
آپ کے وصال کی خبر پر شہر لاہور میں کہرام مچ گیا۔ وصال سے پہلے آپ نے فرمایا تھا کہ ہمارے مدفن کے تیرہ سال بعد دریائے راوی کی موجیں سرکش ہوں گی۔ پانی کناروں سے باہر نکلے گا۔ گردونواح کا علاقہ سیلاب کی لپیٹ میں آجائے گا۔ میرے دوست میری نعش کو نکال کر لے جائیں گے۔ اور باغبانپورہ میں دوبارہ دفن کر دیں گے۔ پھر میری وفات کے ایک سال بعد مادھو دوبارہ طویل سفر پر چلا جائے گا اور میری سنت پر قائم ہوگا۔ یاد رکھنا میرا خلیفہ اکبر مادھو ہے۔ اسے پورے عزت واحترام کے ساتھ تخت پر بٹھانا، مادھو پینتیس (35) سال تک میرا سجادہ نشین رہے گا۔ پھر وہ بھی دنیا سے چلا جائے گا۔ بس یہی میری وصیت ہے۔

☆ محمد اقبال مجددی کا مقالہ قارئین کی نظر ہے جو اگست 1970ء میں مجلّہ معارف اعظم گڑھ میں شائع ہوا تھا۔ اس میں حضرت شیخ حسین کی رند مشربی (شراب نوشی) کے قصے تذکرہ نگاروں نے مزے لے لے کر بیان کئے ہیں۔ لیکن آپ نے آخری عمر میں تمام خلافِ شرع حرکات ترک کر دی تھیں۔ اور نماز روزہ میں مشغول ہو گئے تھے۔ آپ کا یہ عمل دیکھ کر لوگوں نے پوچھا حضرت یہ کیا معاملہ ہے۔ آپ نے فرمایا میں اس زمین میں جا رہا ہوں کہ اسے اختیار کئے بغیر اور اس کا ساکن ہوئے بغیر معرفت حاصل نہیں ہوتی میں نہیں جانتا میرا کیا حال ہوگا۔

معارج الولایت کی روایت کے مطابق آپکے مریدوں کی تعداد سوالاکھ کے قریب تھی۔

☆ بعض اکابر صوفیاء نے ''فرقہ ملامتیہ'' کا ذکر کیا ہے کہ اس سلسلے سے تعلق رکھنے والے صوفی اپنے حقیقی اعمال (نیکیاں) چھپاتے ہیں اور اہلِ دنیا کے سامنے خود کو ایک عام گناہ گار انسان ظاہر کرتے ہیں۔ شہزادہ داراشکوہ نے حضرت شیخ حسین کو ''فرقہ ملامتیہ'' کا سردار تحریر کیا ہے۔

☆ آپ کے مریدین کی ایک جماعت کا خیال تھا کہ کبھی کبھی کسی بزرگ کی زبان سے جذب کی حالت میں کچھ الفاظ ادا ہو جاتے ہیں۔ مگر ضروری نہیں کہ وہ الفاظ عملی شکل اختیار کرلیں۔ دراصل ان میں سے کچھ خود سجادہ نشینی کے خواہشمند تھے۔ اور حضرت شیخ حسین کی وصیت کی کھلی بغاوت بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یہ لوگ اپنے ہم خیال مریدوں سے سرگوشیاں کرنے لگے کہ دریائے راوی آپ کی قبر سے بہت دور بہہ رہا ہے۔ ہر سال اس میں طغیانی آتی ہے مگر پانی کی سرکش موجیں ادھر کا رخ تک نہیں کرتیں۔ انہی مریدوں میں سے ایک شیخ یعقوب بھی خلافت کبریٰ کے دعویدار تھے۔ مگر شیخ حسین کی وصیت سے مجبور تھے۔ ان کا خیال تھا کہ آخر کب تک ہم دریائے راوی میں سیلاب آنے کا انتظار کریں گے۔ ہم نے سیلاب کے انتظار میں تیرہ برس کا عرصہ گزار دیا ہے اور اب تک اسی انتظار میں ہیں۔ اس سے بہتر تھا کہ ہم حضرت شیخ حسینؒ کا روضہ مبارک پہلے ہی پختہ کروا دیتے۔ اور عارضی طور پر کسی خلیفہ کو سجادہ نشین بنا دیتے۔ تاکہ رسمِ عرس جاری ہو سکتی وغیرہ وغیرہ۔

☆ شیخ محمد صالح شیخ حسینؒ کے محبوب مرید تھے۔ آپ مریدین میں ہونے والی سرگوشیوں سے باخبر تھے۔ شیخ محمد صالح نے عارضی سجادہ نشینی کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ پیرو مرشد کی وصیت کے مطابق میرے سجادہ نشین صرف مادھو لال ہیں۔ میں اپنی آخری سانس تک انہیں کا انتظار کروں گا۔ پھر شیخ صالح نے شیخ حسینؒ کے مزار مبارک پر حاضری دی۔ پھر چند روز بعد بارشوں کا موسم شروع ہو گیا۔ عام لوگوں کے خیال میں اس سال بھی معمولی بارشیں ہونگی مگر 8 روز تک مسلسل بارشیں ہوئیں دریائے راوی میں شدید سیلاب آیا۔ اور دریا کا پانی حضرت شیخ حسینؒ کی قبر کی طرف بڑھنے لگا۔ اور قبر مبارک کو پانی یہاں تک پہنچنے سے پہلے ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں کھولا گیا تو نظروں کے سامنے ایک عجیب منظر تھا۔ بعض مریدین تو بے ہوش تک ہوئے۔ بعض سخت غمزدہ اور بعض رونے لگے۔ کیونکہ قبر کے اندر آپ کا جسدِ مبارک موجود ہی نہ تھا اور نہ ہی ہڈیوں کا نام ونشان۔ چند لمحوں میں یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح شہر لاہور میں پھیل گئی۔ ایسے ہزاروں لوگ بھی جمع ہو گئے جو آپؒ کی زندگی

میں ملامت کیا کرتے تھے اور سرِ عام آپ کا مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ بعض چرب زبانوں نے تو یہاں تک کہا۔ جب ان کی زندگی میں کچھ نہیں تھا تو پھر مرنے کے بعد کیا نظر آئے گا۔ مخالفین اپنی اپنی بولی بول کر چلے گئے اور قبر مبارک کو دوبارہ بند کر دیا گیا۔ اکثر مریدوں پر بے یقینی کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس صورتحال سے شیخ محمد صالح شدید اضطراب میں مبتلا تھے اور رات بھر روتے رہے۔ پھر جب آنکھ لگی تو خواب میں حضرت شیخ حسینؒ کو کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ حضرت شیخ حسینؒ فرماتے ہیں محمد صالح تم لوگوں کی باتوں سے افسردہ نہ ہو۔ اٹھو اور قبر کے اندر اتر کر دیکھو میرا جسم قدرتِ حق سے پھولوں کا گلدستہ بن چکا ہے۔ یہی میری نعش ہے۔ اسے جلد یہاں سے نکالو اور بابو پورہ (باغبانپورہ) میں لے جا کر دفن کر دو۔ اور خبردار اس گلدستہ کو کوئی سونگھنے کی کوشش نہ کرے۔ مزید فرمایا کہ جسے میرے دیکھنے کی خواہش ہو وہ مادھو کو دیکھ لے۔ مجھ میں اور مادھو میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مادھو بس آتا ہی ہوگا۔ یہ فرما کر آپؒ تشریف لے گئے۔ صبح ہوتے ہی شیخ صالح نے تمام پیر بھائیوں کو جمع کیا اور حضرت شیخ حسینؒ کی قبر پر دوبارہ حاضر ہوئے۔ قبر کو کھولا گیا اور شیخ صالح قبرِ مبارک میں اتر گئے۔ حقیقتاً وہاں پھولوں کا ایک گلدستہ موجود تھا۔ بعض روایتوں کے مطابق وہ گلدستہ (گلِ ریحان) تھا۔ لوگوں نے پھولوں کو سونگھنے کی خواہش کی۔ مگر شیخ صالح نے پیر و مرشد کے حکم کے مطابق ایسا نہ کرنے دیا۔ پھر گلدستے کو ایک جنازے کی صورت میں بابو پورہ (باغبانپورہ) لایا گیا۔ جس جگہ کا انتخاب حضرت شیخ حسینؒ نے اپنی زندگی میں کیا تھا۔ اس جگہ گورکھ ناتھ ایک ہندو جوگی کا ڈیرہ تھا۔ یہ پھر ایک مشکل صورتحال تھی۔ ہندو جوگی گورکھ ناتھ اپنے چیلوں کے ساتھ یہاں جھونپڑیوں میں رہتا تھا۔ شیخ محمد صالح اور دیگر خلفاء نے ہندو جوگی گورکھ ناتھ کو ہر طریقے سے مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ حضرت شیخ حسینؒ نے وصیت کی تھی کہ انہیں اسی مقام پر دفن کیا جائے۔ جبکہ دوسری طرف ہندو جوگی گورکھ ناتھ اور اس کے چیلے اس بات پر رضامند نہ ہو رہے تھے کہ ہندوؤں کے ڈیرے میں ایک مسلمان کو دفن کیا جائے۔ صورتحال نہایت پیچیدہ تھی۔ ایک طرف حضرت شیخ حسینؒ کی وصیت اور دوسری طرف ہندو جوگی گورکھ ناتھ کا شدید انکار۔ حالات ہندو مسلم فسادات کی طرف جاتے نظر آ رہے تھے۔ اولیائے لاہور کی روایت کے مطابق ابھی یہ کشمکش جاری تھی کہ حضرت حسینؒ کے جنازے (گلدستے) سے آواز آئی۔ گورکھ ناتھ! فلاں جگہ کھودی جائے اگر اس مقام پر تسبیح، مصلیٰ، قرآن پاک اور سرخ دستار نکل آئے تو یہ ڈیرہ ہمارا ہے۔ ورنہ

تیری ملکیت کا دعویٰ جائز ہے۔ پھر جب اس جگہ کو کھودا گیا جس کی طرف حضرت شیخ حسینؒ کی آواز نے اشارہ کیا تھا۔ تمام ہندو اور مسلمان مجمع حیرت نظر آ رہے تھے۔ کیونکہ زمین کی گہرائی سے تسبیح، مصلّٰی، قرآن پاک اور سرخ دستار برآمد ہوئے۔ اور تمام چیزیں ایسے محسوس ہوتی تھیں جیسے ابھی کچھ دیر پہلے انہیں اس جگہ دفن کیا گیا ہو۔ اس منظر کو دیکھ کر خود ہندو جوگی گورکھ ناتھ سکتے میں آ گیا۔ لیکن کچھ دیر بعد اُس نے اس ثبوت کو ماننے سے انکار کر دیا۔ جوگی نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ ان چیزوں کی تازگی بتا رہی ہے کہ یہ تم لوگوں نے ہمیں بیوقوف بنانے کے لئے ڈرامہ کیا ہے۔ مگر یہ جگہ کیونکہ ہندو جوگی کے ایک چیلے نے کھودی تھی اور اس نے بتایا کہ زمین پتھر کی طرح سخت تھی۔

☆ گورکھ ناتھ ہندو جوگی کہتا تھا کہ اگر یہ تمام چیزیں برسوں سے زمین میں دفن ہیں تو اپنی جگہ اصلی حالت پر کیوں موجود ہیں۔ مٹی کا مزاج تو یہ ہے کہ وہ اپنے اندر دفن شدہ چیزوں کو چند دنوں کے اندر کھا جاتی ہے۔ پھر ایسا کیوں ہوا۔ شیخ محمد صالح نے ہندو جوگی کو مٹی اور اس کی حقیقت بتاتے ہوئے کہا۔ مٹی اولیاء اللہ کے جسم کو نہیں کھا سکتی۔ اس طرح ان کی استعمال شدہ چیزیں بھی مٹی کے ضرر سے محفوظ رہتی ہیں۔ اس کے بعد ہندو جوگی گورکھ ناتھ کے جس چیلے نے زمین کھودی تھی شیخ محمد صالح کے ہاتھ پر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ اور پھر ہندو جوگی سے بولا جو گیان جیتے جاگتے انسان نہ دے سکے وہ ایک سادھی (قبر) سے مل گیا۔ لیکن اس کے باوجود ہندو جوگی اور اس کے چیلے اس بات پر متفق نہ ہوئے اور ہنگامہ آرائی اور فتنہ فساد پر اُتر آئے۔ لیکن ہندو جوگی دل سے معاملہ کو کسی حد تک جان چکا تھا۔ وہ پریشانی کے ساتھ شرمندہ بھی تھا۔ تذکرہ نگاروں کے بقول ہندو جوگی گورکھ ناتھ نے حضرت شیخ حسینؒ کے جنازے کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کی ''اس مکان پر تو آپ کا قبضہ ثابت ہو گیا، اب میرے لئے کیا حکم ہے'' جنازے سے آواز آئی ''اب تم پر لازم ہے کہ ''ٹلہ'' چلے جاؤ'' ''ٹلہ'' لاہور ہی میں ہندوؤں کی ایک بستی تھی'' جوگی نے اپنے چیلوں اور سامان کے ساتھ ڈیرہ چھوڑ دیا۔

☆ الغرض شیخ حسینؒ کی دوبارہ تدفین کے بعد جوگی کا وہ چیلا جس نے زمین کھودی تھی اور بعد میں اس کی کرامت کو دیکھ کر مسلمان ہو گیا تھا۔ آپ کی قبر مبارک کے پاس ہی ایک مجاور کی طرح رہنے لگا۔ صرف پیٹ بھرنے کی حد تک محنت مزدوری کرتا اور پھر یہاں جھاڑ دیتا۔ چراغ روشن کرتا اور قبر پر پھول چڑھاتا۔ اب جو لوگ حضرت شیخ حسینؒ کے مزار شریف کی سجادہ نشینی کے خواب دیکھ رہے تھے انہیں ایک نو مسلم کا یہ طرز ایک نظر نہ

بھاتا تھا۔ بالآخر خلفاء اور مریدوں نے اجتماعی فیصلہ کیا کہ اس نومسلم کو یہاں سے بھگایا جائے۔ پھر اس رات حضرت شیخ حسینؒ کے تمام مریدوں نے آپ کو خواب میں دیکھا (شیخ صالح ان مریدوں میں شامل نہ تھے۔) آپؒ نے فرمایا ''تم اس نومسلم کی ظاہری حالت نہ دیکھو اس کے دل پر نظر ڈالو، آج سے وہ ہمارا خاکی دیوان ہے۔ وہ اسوقت تک یہ خدمت سرانجام دیتا رہے گا جب تک ہمارا محبوب مادھو آ کر سجادہ نشینی کی سند کو رونق نہیں بخش دیتا''۔ پھر شیخ محمد صالح نے نومسلم کو یہ خوشخبری سنائی اور وہ آپؒ کی قبر مبارک سے لپٹ کر روتا رہا۔ اور وہی نومسلم ''خاکی دیوان'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اور پھر حضرت شیخ حسینؒ کے مزار مبارک کا عارضی سجادہ نشین بن گیا۔ پھر ایک رات خاکی دیوان کو خواب میں بشارت ہوئی۔ حضرت شیخ حسینؒ فرمارہے تھے کہ ''تیرے پاس یہ سرخ دستار ہمارے محبوب مادھو کی امانت ہے جیسے ہی وہ یہاں آئیں یہ امانت خلوص واحترام کے ساتھ ان کے سپرد کر دینا''۔ پھر وقتِ مقررہ پر شیخ مادھو لاہور آئے۔

☆ کتاب بہاریہ اور حقیقت الفقراء کی روایتوں کے مطابق جب حضرت شیخ حسینؒ کے وصال کو پورے تیرہ سال گزر گئے تو شیخ مادھو حضرت شیخ حسینؒ کے سجادہ نشین ہوئے۔ پھر کچھ دنوں بعد قدرت الٰہی سے شیخ مادھو شیخ حسین کے ہم شکل بن گئے۔ شیخ حسینؒ کے پرانے دوست شیخ مادھو کو دیکھ کر کہتے تھے کہ شیخ حسینؒ نے دوسرا جنم لے لیا ہے۔

☆ تحقیقاتِ چشتی میں مولوی نور احمد چشتی تحریر کرتے ہیں کہ شیخ مادھو لال حضرت شیخ حسینؒ کی قبر سے لپٹ کر روتے رہتے تھے اور اکثر یہ شعر بڑے دردناک لہجے میں پڑھتے تھے۔

تو شدی با وصال حق ہم دم
مادھو را گزاشتی درِ غم
تو شدی از جہاں بہ نازو نعیم
مادھو تو شدہ بہ درد و نیم

ترجمہ: اے میرے دوست تو مجھ سے دور چلا گیا۔ اور تجھے وصال حق حاصل ہو گیا۔ لیکن مادھو کو تو غم برداشت کرنے کے لئے اکیلا چھوڑ گیا۔ دنیا سے تیرے جانے کا انداز تو یہ تھا کہ تو نازونعم کے ساتھ رخصت ہوا۔ لیکن تیرا مادھو درد کی شدت سے دو ٹکڑے ہو گیا ہے۔

☆ آپؒ کے سولہ (16) خلفاء تھے۔ جن میں سے چار (4) شاہِ عرب، چار (4) خاکی، چار (4) دیوان اور چار (4) بلاول کہلائے۔

حضرت شیخ حسینؒ کا مزار شریف لاہور ریلوے اسٹیشن سے 4 نمبر نیو خان سٹی بس جلو موڑ کے راستے باغبانپورہ سٹاپ پر بائیں جانب شاہ عبدالغنی روڈ سے ملحقہ مادھولال حسین روڈ پر واقع ہے۔ مزار شریف کی موجودہ عمارت حال ہی میں میاں محمد حیات ممبر قومی اسمبلی کی کاوشوں سے ازسرنو تعمیر ہوئی ہے۔ مزار شریف ایک بلند چبوترے پر واقع ہے۔ جہاں عورتوں کے داخلے کی سخت ممانعت ہے۔ حضرت شیخ حسینؒ کا مزار مبارک بائیں جانب ہے لوح مزار مرکز تجلیات پر تحریر عبارت درج ذیل ہے۔

غوث الاسلام والعلمین قطب الحق والیقین رئیس الابدال امام الاوتار حضرت شاہ حسین مقصود العین المعروف لال حسین قدس سرہ العزیز

تاریخ ولادت 945ھ آپؒ نے 1008ھ میں تریسٹھ 63 برس کی عمر میں وصال فرمایا۔

مزار شریف پر حاضری کے دوران پھولوں اور پتیوں کے علاوہ دو گلدستے ایک حضرت شیخ حسینؒ اور دوسرا حضرت شیخ مادھولالؒ کے مزار شریف کے سرہانے موجود پائے راقم نے آج تک اتنے خوبصورت اور تازہ پھولوں کے گلدستے نہ تو کسی مزار پر دیکھے اور نہ ہی کسی دوکان پر......!

مزار شریف کے عقب میں چھوٹے سے کمرے میں شیشے کے فریم میں دو ڈارک براؤن رنگ کے پتھروں میں پاؤں کی انگلیوں کے نشانات ہیں مشہور ہے کہ یہ نشانات حضور نبی کریمؐ کے پاؤں مبارک کی انگلیوں کے ہیں۔ راقم کو اس بارے کوئی ٹھوس حقائق معلوم نہ ہو سکے۔ البتہ محکمہ اوقاف نے یہاں بھی ایک بڑا آہنی "گلہ" نصب کر رکھا ہے۔ دائیں بائیں عورتوں کے حجرے ہیں۔ مزار شریف کے چاروں اطراف وسیع ترین میدان ہے۔ دائیں جانب مادھولال حسینؒ پارک ہے۔ جس میں سامنے محفل سماع کیلئے چبوترہ ہے۔ بائیں جانب مسجد اور مدرسہ تعلیم القرآن ہے۔ جہاں پر بچوں کو تجوید وقرآت کے ساتھ حفظ وناظرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مزید یہ کہ یہاں خوف خدا اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درس بھی دیا جاتا ہے۔ مسجد کے عقب میں سکول اور زائرین کیلئے آرام گاہ ہے۔ جو 1993ء میں اہل محلّہ نے اپنی مدد آپ تعمیر کروائی ساتھ ہی شفاخانہ مادھولال حسینؒ ہے۔ سامنے دائیں جانب قبرستان ہے شروع ہی میں پنجابی کے مشہور شاعر استاد دامن کی آخری آرام گاہ ہے بائیں جانب کھلے میدان میں سایہ دار درخت ہیں۔ ایک طرف چند قبریں بھی ہیں۔ مزار شریف کے عقب میں سطح سے تقریباً تین فٹ بلند ایک کھلے چبوترے پر مزار شریف ہے۔ جس کی لوح مزار پر درج ذیل عبارت تحریر ہے۔ "رئیس ابدال ونقیب اوتار سرکار حضرت مائی مہدو انصاریؒ المعروف مائی کھڑی"۔

حضرت شیخ حسینؒ کی نسبت سے یہاں ہر سال موسم بہار میں مارچ کے آخری ہفتہ اور اتوار میلہ چراغاں بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ ان ایام میں مزار شریف پر چراغاں اور شالامار باغ کا منظر قابل دید ہوتا ہے۔ قیام پاکستان سے قبل دہلی، امرتسر، جالندھر، فیروز پور، ملتان، اوکاڑہ، فیصل آباد گوجرانوالہ، شیخوپورہ اور قصور سمیت دور دراز سے لوگ یہ میلہ دیکھنے جوک در جوک آتے تھے۔ ہندو مسلمان اور سکھ دیہاتیوں کی ٹولیاں ساری ساری رات اور دن میلہ میں بولیاں اور لوگ گیت گا کر لطف اُٹھاتیں اور دیکھنے والوں کیلئے بھی سامان تفریح مہیا کرتیں۔ ان دنوں میں شالامار باغ میں عجب چہل پہل ہوتی امراء اور رؤسا کے شاندار خیموں میں موسیقی کی محفلیں سجائی جاتیں۔

جن میں لاہور کی نامور گلوکاراؤں کے مجرے ہوتے۔ بھانڈوں کی نقلیں ہوتیں۔ دیہی اور شہری علاقوں کے ''راجپوت'' خصوصاً اس میلے میں شرکت کرتے ہیر رانجھا کے سوانگ بھرے جاتے اور نہ جانے کیا کیا ہوتا۔ رات انہیں رنگ رلیوں میں بسر ہو جایا کرتی تھی شالامار باغ کے اندر دوکانیں لگتیں۔ جہاں ہر چیز دستیاب ہوتی تھی ہفتہ کی رات اور اتوار کے دن لوگوں کا تانتا بندھا رہتا مختصر یہ کہ میلہ چراغاں لاہور کے میلوں میں سب سے بڑا میلہ ہے۔ اس روز لاہور کے تمام سرکاری و نیم سرکاری اداروں میں عام تعطیل ہوتی ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے سچ ہی فرمایا تھا۔

زمانے کے انداز بدلے گئے
نیا راگ ہے ساز بدلے گئے

اس میں کوئی شک نہیں کہ زمانے کے انداز بدلے گئے ہیں مگر لاہور کے میلوں کا انداز تقریباً وہی ہے گو اب شراب نوشی طوائفوں کے مجرے، ہلڑ بازی اور بازی گری وغیرہ نہیں ہوتی۔ مگر آج بھی آپ کو دنیا کے اس قدیم تاریخی شہر میں ایک دن میں کئی میلے نظر آئیں گے۔

حال ہی میں بیگم صہبا پرویز (جنرل پرویز مشرف صدر پاکستان کی اہلیہ) نے یہاں ایک تقریب میں کہا تھا کہ لاہور لاہور اے لاہور میں سات دنوں میں آٹھ میلے لگتے ہیں۔

حضرت شیخ حسینؒ پنجابی کے مشہور شاعر بھی تھے آپکی پنجابی کافیاں آج تک مشہور ہیں۔ آپؒ کا مزار شریف محکمہ اوقاف کے زیر انتظام ہے۔

حضرت شیخ مادھو لالؒ

حضرت مادھولال حضرت شیخ حسین کے محبوب خلیفہ صاحب عشق و محبت اور سراپا ذوق و شوق اور ذکر و فکر تھے۔ حقیقت الفقراء کے مطابق آپ ہندو برہمن زادے تھے 983 ہجری 1575ء کو شاہدرہ لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ انسانی حُسن و جمال میں قدرت کا ایک عطیہ خاص تھے۔ جس طرح حضرت یوسفؑ کو معجزے کے طور پر بے پناہ حُسن بخشا گیا اور عزیز مصر کی بیوی حضرت زلیخا نے اپنی سہیلیوں کے ہاتھوں میں چھری اور سیب دے کر حضرت یوسفؑ کو ان کے سامنے سے گزارا جس وقت حضرت یوسفؑ جلوہ افروز ہوئے تو حضرت زلیخا نے اپنی سہیلیوں سے کہا کہ تم سیب کاٹ دو۔ تو تمام خواتین نے بے خودی کے عالم میں سیب کی جگہ اپنی انگلیاں کاٹ لیں اور سب بے اختیار پکار اُٹھیں کہ یہ انسان نہیں فرشتہ ہے۔ پس کچھ ایسا ہی حال حضرت مادھولال کا تھا۔ آپ نہایت خوبصورت تھے۔

ایک روز آپ گھوڑے پر سوار کہیں جارہے تھے کہ اتفاق سے حضرت شیخ حسین کی نظر آپ پر پڑی شیخ حسین آپ کا خداداد حُسن و جمال دیکھ کر از خود رفتہ ہو گئے اور عشق مجازی نے آپ کا دل لوٹ لیا۔ پھر سوار (مادھولال) کے بارے میں اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا۔ ساتھیوں میں سے کسی نے بتایا کہ اِس خوبصورت لڑکے کا نام مادھولال ہے اور یہ برہمن ہے رہائش اس کی شاہدرہ میں ہے۔ حضرت شیخ حسین فوراً کشتی میں سوار ہو کر شاہدرہ پہنچ گئے۔ پھر مادھولال کا گھر تلاش کیا اور گھر کے طواف شروع کر دیئے۔ دن رات مادھولال کے گھر کے چکر لگانے لگے پھر شدت اضطراب اِس قدر بڑھی کہ حضرت شیخ حسین نے سکونت لاہور ترک کی اور شاہدرہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ بے شک حضرت شیخ حسین کا عشق دنیاوی آلودگیوں سے پاک تھا لیکن اہل دنیا اِس عشق کے بارے نت نئے افسانے تراشتے یہاں تک کہ حضرت شیخ حسین کے عشق کا چرچا زمانے بھر میں زبان زد عام ہو گیا۔

اللہ والوں کی آنکھ انسانی حسن و جمال دیکھ کر اُس کی صناعی میں کھو جاتی ہیں۔ مگر اہلِ دنیا اپنے دل و نظر کے مطابق اُسے دنیاوی عشق کا نام دے دیتے ہیں۔ شیخ حسین بھی مادھولال کے حُسن و جمال میں خالق حقیقی کی قدرت کا جلوہ دیکھتے تھے۔ مختصر یہ کہ حضرت شیخ حسین مادھولال کو دیکھ کر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے۔

اولیاءلاہور کے مطابق حضرت شیخ حسین مادھولال کے عشق میں بے حال بھی ہو گئے اور بدنام بھی نہ کھانے کی پرواہ نہ لباس کا ہوش، پیہم اضطراب، کوچہ جاناں کا مسلسل طواف کرب واذیت کے شکار دن، بے خودی کے عذاب میں مبتلا راتیں جس طرف سے آپ کا گزر ہوتا لوگوں کی انگلیاں آپ پر اُٹھیں۔ سرِعام آپ کا مذاق اُڑایا جاتا۔ مگر اِن سب باتوں سے بے پرواہ حضرت شیخ حسین سربازار رقص کرتے رہتے۔

لوگ کہتے دیکھو کیسا مسلمان ہے کہ ہندوزادے پر لٹو ہو گیا ہے۔ جبکہ مادھولال آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ آپ کے دوست احباب آپ کو سمجھاتے اور آپ کو اپنے منصب کا خیال یاد کراتے۔ مگر آپ مسلسل اِسی راستے پر چلے جاتے جو مادھولال کے گھر کی طرف جاتا تھا۔ بہت اصرار پر صرف اتنا فرماتے کہ ''گزرتو مجھ پر رہی ہے'' اور برداشت بھی میں ہی کر رہا ہوں۔ اگر بیمار ہوں تو تم سے چارہ گری کا خواہاں نہیں اور خوار ہوں تو تم سے جاہ وجلال کا سوالی نہیں۔ آخر اِسی حالت میں کئی سال گزر گئے۔ مگر ایک مادھولال تھا کہ آنکھ اُٹھا کر دیکھنا تک گوارا نہ کرتا تھا۔

☆ خدا کی قدرت کہ ایک روز کڑکتی دوپہر میں حضرت شیخ حسین مادھولال کے انتظار میں کھڑے تھے کہ اچانک مادھولال گھوڑے پر سوار اِس راستے سے گزرا۔ اور آپ سے یوں مخاطب ہوا کہ کئی برس بیت چکے تم میرے پیچھے حیران وسرگرداں کیوں پھرتے رہتے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ میں تیرے پیچھے نہیں بھاگتا میں تو کسی اور کے تعاقب میں رہتا ہوں۔ مادھولال نے کہا کہ اگر وہ میں نہیں تو کون ہے۔ شیخ حسین نے فرمایا تو اُسے نہیں جانتا اور نہ ہی جان سکتا ہے۔ کیونکہ تو خود پتھر ہے۔ جب پھول بن جائے گا تو خود ہی اُسے پہچان جائے گا۔

دوسرے روز حضرت شیخ حسین اپنے مکان میں تشریف فرما تھے کہ مادھولال خود یہاں آ پہنچا اور آپ سے شکایت آمیز لہجے میں مخاطب ہو کہ کہنے لگا۔ تم مجھے اِس طرح کیوں دیکھتے ہو کہ لوگوں نے عجیب عجیب کہانیاں گھڑ لی ہیں۔ آپ نے پھر وہی بیان دھرایا کہ میں تمہیں نہیں دیکھتا بلکہ کسی اور کے تعاقب میں رہتا ہوں۔ آپ کے ان الفاظ نے مادھولال کے دل پر گہری چوٹ لگائی۔ مادھولال نے پھر کہا کون ہے وہ مگر آپ نے وہی جواب دیا کہ تو اُسے نہیں جانتا مگر وقت آئے گا کہ تو اُسے جان لے گا۔ اور پھر دنیا بھی تمہیں پہچان لے گی مادھولال کی سمجھ میں کچھ نہ آرہا تھا۔ مگر شدت اضطراب اِس قدر بڑھا کہ مادھولال جو کبھی شیخ

حسین کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھنا گوارانہ کرتا تھا۔اب اکثر آپ کی صحبت میں رہنے لگا۔ اِس دوران آپ کی نظریں مادھولال کے حسین چہرے پر مرکوز رہتیں۔اور مادھولال کبھی کبھی شوخ لہجے میں آپ سے سوال کرتا آپ مجھے نہیں کسی اور کو دیکھتے ہیں مگر کیا ہے کہ دیکھتے دیکھتے آپ کا دل نہیں بھرتا اور آپ فرماتے کہ وہ ایسا ہی ہے کہ اُسے دیکھتے ہی رہو پھر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ مادھولال بھی اپنے ہوش وہواس کھو بیٹھا۔اور دن رات آپ کے مکان پر پڑا رہتا۔تمام تذکرہ نگار اِس بات پر متفق ہیں کہ حضرت شیخ حسین خود بھی شراب پیتے اور مادھولال کو بھی پلاتے۔بلا آخر ایک روز کئی ہندو پنڈت مادھولال کے گھر اکٹھے ہو کر گئے۔اور غضبناک لہجے میں مادھو کے والدین سے تمام قصہ بیان کیا۔مادھولال کے والدین اور رشتہ داروں کو جب یہ معلوم ہوا کہ مادھو شیخ حسین کا گرویدہ اور عقیدت مند ہو گیا ہے۔اور ان کے پاس اکثر آتا جاتا ہے تو انہیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ ہم ہندو دھرم کے پجاری ہیں اور شیخ حسین مسلمان ہے۔کہیں ہمارا بیٹا شیخ حسین سے متاثر ہو کر مسلمان نہ ہو جائے۔اور اگر ایسا ہو گیا تو ہماری آبرو خاک میں مل جائے گی۔اس پر مادھولال کے والدین نے بیٹے کو پیار محبت اور ہندو دھرم کے واسطے دے دے کر بہت سمجھایا مگر مادھولال نے شیخ حسین سے علیحدہ ہونے سے صاف انکار کر دیا۔مادھولال کے والدین اُسے سمجھانے کیلئے جو باتیں کرتے حضرت شیخ حسین مادھولال کو ملاقات پر وہ تمام باتیں بیان کرتے۔اِس کرامت سے مادھولال آپ کی جانب مزید راغب ہو گیا جو مادھولال کے والدین کو ذرا نہ بھاتی تھی۔پنڈتوں نے مشہور کر دیا کہ شیخ حسین نے مادھولال پر جادو کر دیا ہے۔اور پھر وہ حضرت شیخ حسین کو قتل کرنے کے منصوبے بنانے لگے۔ہندو مسلح ہو کر حضرت شیخ حسین کے گھر شہید کرنے کی غرض سے نکلے اور پھر جب مکان کے پاس پہنچتے تو دروازہ نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔اور ساری ساری رات دروازہ تلاش کرتے رہتے بلا آخر ناکام واپس لوٹ جاتے۔کئی بار ایسا ہونے پر ہندو پنڈت خود ساتھ آئے حسب سابق مکان کے قریب آتے ہی دروازہ غائب پایا بہت دیر دروازہ تلاش کیا نہ ملنے پر وہ بھی مایوس لوٹے۔پھر طے پایا کہ حضرت شیخ حسین جہاں کہیں نظر آئیں شہید کر دیا جائے۔اور جب بھی کوئی ہندو آپ کو مارنے کی غرض سے آگے بڑھتا آپ نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔

☆ ایک دن مادھولال اپنے گھر سے شیخ حسین کے پاس آئے ہندو اس موقع کی

تلاش میں تھے۔ اور پیچھے ہو لیئے۔ پھر شیخ حسین کے گھر داخل ہو گئے کیا دیکھتے ہیں کہ مادھو لال بیٹھا ہے مگر شیخ حسین موجود نہیں۔ حالانکہ شیخ حسین بھی وہیں تھے مگران کی نظر آپ کو دیکھ نہ سکی۔ اور پہلے کی طرح شرمندہ ہو کر لوٹے۔

ہر طرح سے سمجھانے کے بعد مادھولال کے والدین کے ذہن میں ایک تجویز آئی۔ ہندو ہر سال بیساکھی کی پہلی تاریخ کو دریائے گنگا میں اشنان (غسل) کرتے تھے اُن کے عقیدے کے مطابق اِس مخصوص دن گنگا اشنان سے سال بھر کے تمام کیۓ گئے گناہ دھل جاتے ہیں۔ مادھولال کے والدین آپ کو اِس لئے بھی ساتھ لے جانا چاہتے تھے کہ گنگا میں اشنان (غسل) کے بعد شیخ حسین کا کیا ہوا جادو دور ہو جائے گا۔ اِس سلسلے میں انہوں نے مادھولال سے بات چیت کی۔ مادھولال حضرت شیخ حسین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور والدین کی خواہش کا اظہار یوں کرنے لگے کہ میں گنگا میں اشنان (غسل) بھی کرلوں گا۔ اور ماں باپ کا دل بھی رہ جائے گا۔ مگر شیخ حسین تو لمحہ بھر کیلیۓ مادھولال سے جدا نہیں ہونا چاہتے تھے۔ پھر مادھولال نے کہا کہ میں تو ماں باپ سے وعدہ کر چکا نہ گیا تو جھوٹا قرار پاؤں گا۔ شیخ حسین نے فرمایا مادھو اگر تم وعدہ کر آئے ہو تو پورا ہو گا۔ اپنے والدین سے کہہ دو کہ وہ چلے جائیں اشنان (غسل) کے مقرر دن وہ دریائے گنگا پر پہنچ جائے گا۔ جب یہ بات مادھولال نے اپنے والدین کو بتائی تو وہ غضب ناک ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ ایک مہینے کا سفر تو ایک دن میں کیسے طے کر سکے گا۔ شیخ حسین تو جھوٹا ہے اِس کا مقصد صرف تجھے گنگا اشنان سے روکنا اور مذہب سے دور کرنا ہے۔ مادھولال نے پرعزم لہجے میں کہا کہ مجھے شیخ حسین کی بات پر یقین ہے۔ آپ چلے جائیں میں بساکھی کی پہلی تاریخ کو دریائے گنگا پر پہنچ جاؤں گا۔ اور تمہارے ساتھ اشنان (غسل) کروں گا۔ بلآخر مادھولال کے ماں باپ ایک قافلہ کے ہمراہ لاہور سے گنگا اشنان کیلیۓ روانہ ہو گئے۔ اور کہتے گئے کہ دیکھیں گے کہ شیخ حسین تمہیں ایک دن میں کیسے لاہور سے گنگا پہنچاتا ہے۔ اُن کا خیال تھا کہ مقررہ وقت پر شیخ حسین کیونکہ گنگا نہیں پہنچ سکیں گے اور اِس مرتبہ اہل لاہور پر اُن کی جھوٹ کا پول کھل جائے گا۔ اور یوں وہ خود ہی مادھولال کی نظروں سے بھی گر جائیں گے۔ اور ہمارا بیٹا اُس کے اثر سے نکل جائے گا۔ ادھر بیساکھی کی پہلی رات کا آفتاب طلوع ہوا اور مادھولال نے حضرت شیخ حسین کو تاریخ یاد کروائی۔ آپ مسکرائے اور فرمایا میرا ہاتھ پکڑ لو اور میرے پاؤں پر اپنا پاؤں رکھ دو اور

آنکھیں بند کرنے کا کہا چند لمحوں بعد مادھولال نے آنکھیں کھولیں اُس پر سکتے کی سی کیفیت طاری تھی کیونکہ وہ گنگا کے کنارے کھڑا تھا۔اور بے اختیار آپ کے قدموں میں گر گیا۔آپ نے اُٹھایا اور فرمایا جاؤ اپنے ماں باپ اور ہم مذہبوں سے مل لو اور اشنان کرو فارغ ہو جاؤ تو میرے پاس آ جانا۔ مادھولال کو دیکھ کر اُس کے والدین بھی دنگ رہ گئے مادھو تو کیسے آیا۔
لاہور سے کب چلا، مادھولال کے جواب نے ماں باپ کے چہرے فق کر دیئے کہ میں شیخ حسین کے ساتھ آیا ہوں۔اور بتایا کہ لاہور سے ابھی چند لمحے پہلے روانہ ہوئے۔
اشنان کے بعد مادھولال حضرت شیخ حسین کے پاس آ گئے اور آپ واپس لاہور تشریف لے آئے۔

☆ ایک شب کا ذکر ہے کہ حضرت شیخ حسین اپنے ایک دوست کے گھر مہمان تھے اور شراب نوشی کر رہے تھے۔ مادھولال بھی شریک مجلس تھا۔ جب آدھی رات ہوئی تو آپ نے مادھولال کے کپڑے دیکھ کر ایک ساتھی کو فرمایا کہ مادھولال کے کپڑے دریائے راوی پر لے جا اور کسی دھوبی سے اِسی وقت دھلوا لا۔اِس نے عرض کی کہ حضرت اس وقت تو آدھی رات ہو چکی اِس وقت دھوبی کہاں اور شہر کے تو دروازے بھی بند ہیں۔فرمایا چون چرا مت کر اور جلدی جا جب وہ باہر آیا تو روز روشن دیکھا لب دریا گیا وہاں ایک دھوبی موجود تھا۔ اِس نے کپڑے لے کر دھو دیئے اور مزدوری بھی نہ لی۔اور کہا کہ حضرت شیخ حسین کو میرا سلام دینا۔وہ حیران و پریشان واپس آیا۔ جب گھر پہنچا تو وہی آدھی رات کا وقت نظر آیا۔ کپڑے دے دیئے اور سلام دھوبی کا عرض کیا۔آپ نے فرمایا تو حیران مت ہو وہ دھوبی ایک فرشتہ تھا۔

☆ پھر ایک دن مادھولال نے زنار (ڈوری) اور قشقہ (پیشانی پر چھاپ یا تلک کا نشان) کھرچ ڈالا۔تمام تذکرہ نگار اِس بات پر متفق ہیں کہ مادھولال نے اسلام قبول کر لیا۔ اور مسلمان ہو گیا تھا۔مگر افسوس کہ ہمارے پاس کوئی ایسی کتاب یا قلمی دستاویز موجود نہیں ہے۔جس سے پتہ چل سکے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد مادھولال نے کونسا اسلامی نام اختیار کیا۔تمام تذکرہ نگاروں نے مادھولال کو اسی ہندوانہ نام سے یاد کیا ہے۔اور اِس سے بھی بڑی بات یہ کہ اکثر تذکروں میں تو شیخ حسینؒ کو بھی مادھولال حسین کے نام سے ہی یاد کیا جاتا ہے۔قبول اسلام کے وقت حضرت مادھولال کی عمر شریف اٹھارہ برس تھی۔

☆ قبول اسلام کے دو ماہ بعد ہی ہولی اور بسنت کا تہوار آیا، شیخ مادھولال نے

تقریباً 18 سال کی عمر میں نیا دین اختیار کیا تھا اِس سے پہلے بچپن سے لے کر نوجوانی تک ہولی، دیوالی، اور بسنت جیسے تہواروں میں شرکت کی تھی۔ آخر ہولی کا دن آیا۔

ہزاروں ہندو لاہور کے گلی کوچوں میں رنگ کی پچکاریاں چھوڑ رہے تھے۔ کپڑے اور چہرے رنگین ہو رہے تھے مگر آج شیخ مادھولال کی پیشانی پر اُداسی کا رنگ نمایاں تھا شیخ حسین نے مادھولال کی طرف دیکھا اور خدمت گاروں کو حکم دیا کہ بازار سے مختلف رنگ خرید کر لائیں۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور تمام رنگ الگ الگ طباقوں میں رکھ کر شیخ حسین کی خدمت میں پیش کیے گئے۔

اِس وقت شیخ مادھولال کے سامنے موجود تھے۔ حضرت شیخ حسین نے مٹھی بھر کر شیخ مادھولال پر رنگ پھینکا۔ پھر شیخ مادھولال نے پیر و مرشد کی محبت کا یہ رنگ دیکھا تو خود بھی فرفتہ ہو گئے۔ اور مٹھیاں بھر بھر کر حضرت شیخ حسین پر رنگ پھینکنے لگے۔ یوں ایک مسلمان بزرگ کی خانگاہ میں جی بھر کر ہولی کھیلی گئی۔

ایک روایت کے مطابق جب حضرت شیخ حسین نے ہولی کے دن شیخ مادھولال کو اداس دیکھا تو آپ نے فوری طور پر اپنی خانقاہ میں محفل رقص وسماع منعقد کی اور عالم مستی میں ایک دوسرے پر رنگ ڈالتے رہے یہ غیر اسلامی رسم آج تک جاری ہے۔

حضرت شیخ حسین کے مرید بسنت کے دن مزار شریف پر جا کر گلال (ہولی کا مخصوص رنگ) پھینکتے ہیں۔ اولیائے لاہور کے مولف محمد لطیف ملک کے مطابق بسنت کے دن رنگ کھیلنے کے دوران حضرت شیخ حسین شیخ مادھولال کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے۔

مادھو! تیرے ان لواحقین (سابقہ ہم مذہب) کی بسنت چند روزہ ہے اور ہماری تمہاری بسنت تا قیامت قائم رہے گی۔

☆ قبول اسلام کے بعد ایک دن حضرت شیخ حسین نے مادھولال سے فرمایا مادھو! آج ہم اور تم ساری دنیا سے الگ ہو کر ایک تنہا مکان میں شراب وحدت پیئں۔ پھر ہم دونوں قدرت الٰہی کا مشاہدہ کریں۔ شیخ مادھو نے جواب دیا اِس میں خوف رسوائی ہے۔ شیخ حسین نے فرمایا وہ کیا شیخ مادھو نے کہا کہ دنیا والے کیا کہیں گے۔ یہ سن کر شیخ حسین جلال میں آگئے تجھے دنیا والوں کا اتنا خوف ہے۔ کیا تو مجھے نہیں دیکھتا کہ میں ساری دنیا کی تہمتوں کا بار اُٹھا کر سر بازار رقص کرتا ہوں۔ پھر شیخ مادھو راضی ہو گئے۔ اور پھر شیخ حسین شیخ مادھولال کو

لے کر ''بابو پورہ'' موجودہ باغبانپورہ کے ایک مکان میں پہنچے اولیائے لاہور کی روایت کے مطابق اِسی مکان میں بیٹھ کر حضرت شیخ حسین نے شراب پی اور پھر اسی حالت کیف و مستی میں شیخ مادھو لال کو واصل بحق کرایا۔ پہلے ایک بت پرست کی پیشانی سے قشقے (چھاپ یا تلک) کا نشان کھرچا، پھر دل سے بھی یادِ صنم مٹا ڈالی اور شیخ مادھو کو بغیر کسی محنت و مشقت کے والی کامل بنا دیا۔

روحانیت کی تکمیل کے بعد حضرت شیخ حسین نے شیخ مادھو لال کو راجہ مان سنگھ کی ملازمت کرنے کا حکم دیا۔ راجہ مان سنگھ بھی راجپوت تھا۔ اور شہنشاہ ہند جلال الدین اکبر کے مشہور امراء میں سے تھا۔ پیرو مرشد کا حکم سن کر شیخ مادھو لال اداس ہو گئے۔ اور کہنے لگے۔ آپ کے بعد مجھ سے کسی غیر کی غلامی نہ ہو سکے گی۔ شیخ حسین نے فرمایا کہ ہمارے محبوب کسی کے غلام نہیں ہو سکتے۔ بظاہر تم راجہ مان سنگھ کے غلام ہو گے مگر درپردہ اُس پر حکومت کرو گے۔

شیخ مادھو نے کہا مجھ سے یہ جدائی برداشت نہ ہو سکے گی۔ آپ نے فرمایا انسان کو وصل کی قدر و قیمت اِسی وقت معلوم ہوتی ہے۔ جب وہ صدمہ فراق سے دوچار ہوتا ہے۔ اور فرمایا مادھو تیرا وہاں جانا ہی بہتر ہے۔ آج شیخ حسین خود مادھو کو جدا ہونے کا حکم دے رہے تھے۔

شیخ مادھو فراق اور فاصلے کو ظاہری آنکھ سے دیکھ رہے تھے۔ مگر حقیقت میں یہ سب ان کی روحانی تربیت کیلئے تھا۔ آخر شیخ حسین کے حکم سے مجبور شیخ مادھو لال نے راجپوت راجہ مان سنگھ کی ملازمت اختیار کر لی۔

پھر جب بھی وقت ملتا شیخ مادھو برق رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر آتا اور شیخ حسین کا دیدار کر کے چلا جاتا۔ یہ عارضی ملاقاتیں بھی چند روزہ تھیں راجہ مان سنگھ دہلی چلا گیا۔

☆ چند روز بعد ہی راجہ مان سنگھ کو فرمان شاہی آ پہنچا کہ دکن میں بغاوت کے آثار ہیں تم فوراً وہاں پہنچو چنانچہ راجہ مان سنگھ ایک کثیر لشکر کے ساتھ دکن روانہ ہوا۔ شیخ مادھو بھی ایک ملازم کی حیثیت سے اس کے ہمراہ تھا۔ اولیائے لاہور کی روایت کے مطابق راجہ مان سنگھ درویشوں کے حال سے بے خبر تھا اور شیخ مادھو کو ایک عام خدمت گار خیال کرتا تھا۔ پھر جب باغیوں سے جنگ ہوئی دوسرے دن راجہ مان سنگھ کی فوجوں میں بددلی پھیل گئی۔ فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے تھے اور میدان جنگ سے فرار نظر آنے لگے یہاں تک کہ راجہ مان سنگھ نے بدحواسی کے عالم میں شیخ مادھو سے عرض کی کہ یہی وقت ہے اگر یہ گزر گیا تو عزت و جاہ

اور عہدہ و منصب کچھ نہیں بچے گا۔ اگر تو فقیر ہے تو میری مدد کر۔ شیخ مادھو کو راجہ مان سنگھ پر رحم آ گیا۔ اور آپ نے باطنی طور پر متوجہ ہو کر اپنے پیرو مرشد حضرت شیخ حسین سے روحانی امداد مانگی اور شیخ حسین چند لمحوں بعد دو گز کے فاصلے پر تھے۔ شیخ حسین نے شیخ مادھو لال کو ہدایت کی کہ راجہ مان سنگھ سے کہو کہ وہ دوبارہ اپنی صفیں درست کرے۔ اور پوری شدت سے دشمن پر پھر سے حملہ کرے۔ مگر خود آسمان پر نظر رکھے۔ اور خود شیخ مادھو کی نظروں سے اوجھل ہو گئے جب راجہ مان سنگھ نے دوبارہ جنگ شروع کی اور شیخ مادھو کی ہدایت کے مطابق آسمان کی طرف دیکھا تو اسے عجیب منظر دکھائی دیا۔ تمام آسمان قلندروں کی فوج سے بھرا ہوا تھا۔ اور ہر قلندر کے ہاتھ میں شمشیر بے نیام تھی۔ اور وہ دشمن کے سپاہیوں کو قتل کر رہا تھا۔ چند لمحوں میں نقشہ بدل گیا۔ باغی فوج بھاگ گئی میدان خالی ہوا تو راجہ مان سنگھ شیخ مادھو کے قدموں میں گر گیا۔ شیخ مادھو نے بے نیازانہ کہا جب تک تم ہمارے حال سے بے خبر تھے ہمارا یہاں رہنا مناسب تھا۔ اب ہمیں اجازت دو پھر اگر پیرو مرشد حکم کریں گے تو میں تمہارے پاس آ جاؤں گا۔ شیخ مادھو راجہ مان سنگھ کی تمام پیشکشوں کو ٹھکرا کر لاہور پیرو مرشد کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

روایت ہے کہ شیخ مادھو کو اپنے پیرو مرشد کی موت کا بہت صدمہ ہوا اکثر حضرت شیخ حسین کی قبر مبارک پر جا کر روتے رہتے تھے۔ شاید شیخ مادھو کی یہ محبت تھی جس سے متاثر ہو کر حضرت شیخ حسینؒ نے فرمایا تھا۔ کہ میرے بعد مادھو ہی مسند خلافت کو آراستہ کرے گا۔ الغرض حضرت شیخ حسینؒ کی قبر مبارک پر گریہ وزاری کرتے ہوئے شیخ مادھو کو ایک سال گزر گیا۔ پھر ایک روز حضرت شیخ حسینؒ شیخ مادھو کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا۔

مادھو تم پر لازم ہے کہ لاہور سے ہندوستان کی طرف سفر کرو بارہ برس تک راجہ مان سنگھ کی ملازمت میں رہو۔ پھر ہمارے پاس آؤ۔ آپ کی آنکھ کھلی تو بہت رنجیدہ خاطر ہوئے لیکن حضرت شیخ حسینؒ کا حکم تھا پھر بھی تین دن مزید قبر سے لگے روتے رہے کہ شاید حضرت شیخ حسینؒ آپ پر ترس کھا کر اپنا حکم واپس لے لیں۔ تین دن تک جب حضرت شیخ حسینؒ خواب میں نہ آئے تو خیال آیا کہ شاید حضرت شیخ حسینؒ میرے قیام لاہور پر راضی نہیں پھر قبر مبارک کی خاک چہرے پر ملی اور لاہور سے رخصت ہو گئے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ تسخیر دکن کے بعد راجہ مان سنگھ دکن میں مقیم تھا۔ اولیائے لاہور کی روایت کے مطابق جیسے ہی شیخ مادھو دربار میں داخل ہوئے۔ راجہ مان سنگھ نے ان کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ پھر پیرو مرشد کا حکم سنایا کہ میں

بارہ برس تک تمہارے ساتھ رہوں پھر لاہور لوٹ جاؤں۔ پھر بارہ برس شیخ مادھو راجہ مان سنگھ کے پاس رہے۔ بارہ برس پورے ہونے پر راجہ مان سنگھ اچانک بیمار ہوا اور دنیا فانی سے رخصت ہو گیا وفات سے پہلے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ اگر شیخ مادھو تمہارے ساتھ رہنا پسند کریں تو اِن کا درجہ آقا کے برابر ہوگا اور تمہاری حیثیت ایک غلام کی سی ہوگی۔ اور اگر واپس جانا چاہیں تو اُن کو روکنے کی درخواست کرنا۔ مان جائیں تو اسے اپنی سعادت سمجھنا اور نہ مانیں تو زبردستی نہ کرنا۔ بلکہ عزت واحترام اور بڑے انعام وکرام کے ساتھ رخصت کرنا۔ آخر بارہ برس پورے ہوئے۔ شیخ مادھو کا سب سے بڑا عقیدت مند راجپوت حاکم راجہ مان سنگھ وفات پا گیا راجہ مان سنگھ کی وفات کے فوراً بعد شیخ مادھو نے لاہور جانے کا ارادہ کیا۔ راجپوت حاکم کے بیٹوں نے باپ کی وصیت کے مطابق شیخ مادھو سے درخواست کی۔ مگر آپ نے انکار کر دیا۔ مگر شدید التجا پر چند روز ٹھہر گئے پھر لاہور آئے اور خاکی دیوان (جن کے بارے تفصیل حضرت شیخ حسینؒ کے مضمون میں تحریر ہے) نے یہ امانت (دستار) خلوص واحترام کے ساتھ شیخ مادھو کو پیش کر دی۔ پھر حضرت شیخ حسینؒ کے تمام خلفاء کے اجتماع میں شیخ مادھو نے سرخ دستار باندھی اور حضرت شیخ حسینؒ کے جانشین قرار پائے۔

حضرت شیخ مادھو **1001**ھ میں شیخ حسینؒ کی بیعت سے مشرف ہوئے تھے۔

حضرت شیخ مادھو کا وصال **1056**ھ میں ہوا عمر **73** برس پائی۔

حضرت شیخ حسینؒ کا وصال **1008**ھ میں ہوا۔ شیخ حسینؒ کے وصال کے وقت شیخ مادھو کی عمر **21** برس تھی۔ **1021**ھ میں حضرت شیخ حسینؒ کو دوبارہ دفن کیا گیا۔ **1056**ھ تک مادھو لال سجادہ رہے۔ کتاب بہاریہ اور حقیقت الفقراء کے مطابق جس وقت شیخ مادھو لاہور پہنچے تو خاکی دیوان نے سُرخ دستار شیخ مادھو کے سر پر سجائی اور خود زندہ زمین میں سما گئے۔

تذکرہ نگاروں کے مطابق شیخ مادھو لال نوعمری میں مسلمان ہو کر حضرت شیخ حسینؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے اور تمام عمر فنافی اللہ رہے۔

حضرت مادھو لال کا مزار شریف حضرت شیخ حسینؒ کے ساتھ دائیں جانب ہے۔

لوح مزار مرکز تجلیات پر تحریر عبارت درج ذیل ہے۔

مزار پرانور مرکز فیوض وبرکات محبوب الحق راز حُسن کا امین معشوق محبوب نازنین حضرت شیخ مادھو قادری لاہوریؒ تاریخ ولادت: **983**ھ تاریخ وصال: **22** ذوالحجہ **1056**ھ۔

حضرت میراں شاہ موج دریا بخاریؒ

حضرت میراں محمد شاہ مورج دریا کا خاندانی تعلق سادات اُوچ شریف سے ہے آپ کے خاندان میں ولایت اور شرافت نسل در نسل کئی پشتوں تک قائم رہی۔ آپ عہد مغلیہ کے جلیل القدر اولیاء میں سے تھے۔ آپ کا اصل نام میراں محمد شاہ تھا لیکن طبیعت میں جلال ہونے کی وجہ سے جب کبھی جلال میں آ کر جس پر خوش ہوتے تو اس پر اللہ کی رحمت خاص ہو جاتی بلکہ فضل باری تعالیٰ دریا کی طرح بہتا ہوا آتا چنانچہ اسی نسبت سے آپ موج دریا بخاری کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت مخدوم الدین جہاں بھانیاں جہاں گشت سے ملتا ہے۔ آپ کے والد گرامی کا نام سید صفی الدین تھا اور اپنے دور کے ولی کامل تھے۔ بلکہ آپ کے خاندان میں ولایت شرافت اور کرامت موروثی تھی۔

آپ 940ھ بمطابق 1533ء میں بمقام اُوچ شریف دوسرے مغل شہنشاہ نصیرالدین ہمایوں کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے۔ (اُوچ شریف آج کل ریاست بہاولپور میں واقع ہے) آپ کے والد گرامی کیونکہ عالم دین اور بزرگ شخصیت تھے اس لئے ابتداء میں انہوں نے خود آپ کو قرآن پاک کی تعلیم دی بعد میں مختلف اساتذہ سے اکتسابِ علم کر کے اپنے ظاہری علوم کی تکمیل کی۔

تحصیل علم کے بعد آپ کے دل میں شوقِ حق دامنگیر ہوا۔ تو آپ نے اپنے والد محترم کے دست مبارک پر سلسلہ سہروردیہ میں بعیت کی۔ آپ نے حصول معرفت کیلئے نہایت سخت مجاہدے کیے لیکن آپ تھوڑے ہی عرصہ میں منزل مقصود کو پا گئے۔ جب آپ حقیقت و معرفت میں پوری طرح کامل ہو گئے تو آپ کے والد نے خرقہِ خلافت عطا فرمایا اور مخلوق خدا کو فیض رسانی کی تلقین کی۔ اور آپ خلق خدا کی رہنمائی اور اصلاح میں مصروف ہو گئے۔ حتیٰ کہ مختصر سے عرصہ میں آپ کی بزرگی کا چرچا گردونواح میں پھیل گیا۔

☆ روایت ہے کہ آپ اُوچ شریف میں سکونت پذیر تھے کہ شہنشاہ ہند جلال الدین اکبر کو قلعہ چتوڑ کی مہم درپیش آئی بہت سے امیران بادشاہ وہاں پہنچے مگر قلعہ فتح نہ ہوا۔ بلآخر خود شہنشاہ جلال الدین اکبر وہاں پہنچا اور ہر تدبیر آزمائی مگر کوئی صورت نظر نہ آئی۔ پھر شہنشاہ ہند نے نجومیوں سے مشورہ کیا نجومیوں نے بیان کیا کہ حضرت میراں محمد شاہ موج دریا

جو اُوچ شریف میں رہتے ہیں اگر آپ تشریف لے آئیں تو قلعہ اُن کے نام سے فتح ہو گا
چنانچہ جلال الدین اکبر نے اپنے مشیر آپ کی خدمت میں بھیجے جب وہ لوگ آپ کی خدمت
میں ایک ''سانڈھنی'' آپ کو لانے کی غرض سے لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے اُنہیں فرمایا
کہ تم اِس ''سانڈھنی'' کو لے کر چلو ہم خود ہی چتوڑ گڈھ پہنچ جائیں گے۔ جاتے وقت انہوں
نے آپ کا نشان آوری دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم جس روز بادشاہ کے لشکر میں
داخل ہو گے اُس روز بڑی تیز آندھی آئے گی تمام ڈیرے اور قناتیں گر جائیں گی۔ اور تمام
لشکر کی مشعلیں اور چراغ گل ہو جائیں گے۔ مگر ہمارے ڈیرے کا ایک چراغ روشن ہو گا۔
اُسی چراغ کے پاس ہمیں بیٹھے پاؤ گے چنانچہ جب وہ لوگ چتوڑ پہنچے آپ کا پیغام شہنشاہ ہند
جلال الدین اکبر تک پہنچایا تو سرشام تیز آندھی آئی اور تمام خیمے اور شامیانے گر گئے
۔ پھر ہوا کی شدت سے مشعلیں اور چراغ گل ہو گئے پھر جلال الدین اکبر حسب وعدہ آپ کی
تلاش کے درپے ہوا تو دور سے ایک چراغ نظر آیا اور شہنشاہ ہند جلال الدین اکبر ننگے پاؤں
آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی آپ نے فرمایا کہ جاؤ کل کو قلعہ فتح ہو جائے گا۔
اگلے روز آپ خود بھی علی الصباح قلعہ کے پاس تشریف لے گئے۔ اور تین بار با آواز بلند اسم
مبارک ''اللہ'' زبان مبارک سے فرمایا تو اُسی وقت قلعہ فتح ہو گیا۔ قلعہ کی فتح کے بعد آپ نے
واپس اُوچ شریف جانے کا ارادہ فرمایا تو جلال الدین اکبر نے آپ کو ''ہند'' رہنے کی
درخواست کی۔ اور آپ نے ''لاہور'' میں قیام قبول کیا۔ اور لاہور تشریف لے آئے۔

جلال الدین اکبر نے آپ کو بڑی جاگیر علاقہ پرگنہ پٹیالہ میں نذر کی فرامین عطائے
جاگیر بادشاہی مہروں سے مذین عرصہ دراز تک آپ کی اولاد میں پشت در پشت رہے۔ بعض
دیہات لاہور میں تھے۔ لاہور میں سکونت پذیر ہونے کے بعد آپ نے فرمایا کہ ہمارا لنگر
تین جگہ جاری کیا جائے۔

1- لاہور کی خانقاہ میں 2- موضع خان فتا (پھالیہ میں) 3- پسیانوالہ میں

چنانچہ آپ کے ارشاد کے مطابق تینوں مقامات پر لنگر جاری ہوئے۔ اور طالبان حق،
درویشوں، مکینوں کو لنگر عام ملنے لگا۔

موجودہ مزار شریف کی جگہ آپ نے ایک خانقاہ قائم کی اور درس و تدریس کا اہتمام شروع کیا۔

☆ روایت ہے کہ ایک روز ایک منکر نے حضرت میراں محمد شاہ المشہور موج دریا

کی مجلس میں کہا کہ پنجابی کا مقولہ ہے کہ ''سید سنی نہیں کاٹھ دی گنی نہیں''۔ یعنی سید سُنی نہیں ہو سکتا اور دیگ لکڑی کی نہیں ہو سکتی۔ مزید کہا کہ سنا ہے کہ پہلے زمانے میں سید کو آگ نہیں چھوتی تھی۔ بات مزید آگے بڑھاتے ہوئے یہ بھی کہا کہ ایک مرتبہ ایک سیدزادے آگ میں گر پڑے مگر ان کا ایک بال بھی آگ نے نہ چھوا۔ لیکن اب شاید ممکن نہیں کہ کوئی ایسا صحیح النسب سید موجود ہو۔ حضرت موج دریا یہ سن کر جلال میں آگئے اور لکڑی کی ایک دیگ منگوائی پھر دونوں پاؤں کو چولہا بنا کر اس میں آگ جلوائی اور اِس دیگ میں چاول پکائے۔ پھر آپ نے اُس منکر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھ سید سُنی ہے اور دیگ لکڑی کی ہے۔ اور دیکھ کہ آگ نے سید کے پاؤں کو نہیں جلایا۔

حضرت موج دریا نے دو شادیاں کیں۔ ایک کا نام بی بی فاطمہ کلاں جبکہ دوسری کا نام نورنگ بی بی تھا۔ نورنگ بی بی ایک مسلمان راجہ کی بیٹی تھی۔ پہلی بیوی سے دو بیٹے اور دوسری بیوی سے ایک بیٹا ہوا۔ بعض تذکرہ نگاروں نے حضرت موج دریا کے چار بیٹوں کا ذکر کیا ہے۔ اور فتح اللہ شاہ المشہور فتح شاہ بخاریؒ مدفون ''امرتسر'' بیرون دروازہ ''لوہگڑھ لاہوری'' کو آپ کا چوتھا بیٹا بیان کیا ہے واللہ علم بالصواب۔

تحقیقات چشتی کے مطابق حضرت موج دریا بخاری کی زوجہ وڈی خاندان سادات گیلانی سے حضرت سید عبدالقادر ثالث (جن کا مزار شریف اندرون مزار حضرت شاہ چراغ کے ہے) کی صاحبزادی تھیں، اور آپ کے بطن عفت سے حضرت کے صاحبزادہ سید صفی الدین اور سید بہاؤالدین متولد ہوئے۔

بعد ازاں حضرت موج دریا نے ایک مسلمان راجہ کی بیٹی سے نکاح کر لیا۔ اور اِس بی بی منکوحہ کو گھر لے آئے۔ بی بی صاحبہ کلاں کو آپ کا نکاح ثانی ناگوار گزرا اور آپ کی خدمت میں عرض کی کہ اگرچہ بموجب اجازت شرع شریف آپ کو نکاح ثانی کا اختیار تھا اور کچھ جائے شکوت نہیں لیکن میں نہیں چاہتی ہوں کہ آپ کی یہ بی بی میرے ساتھ رہے۔ آپ کو چاہئے کہ اس کو علیحدہ رکھیں پس آپ نے حسب رضا جوئی بی بی کلاں دوسری بی بی کو بٹالہ بھیج دیا۔ اور وہیں اُس کیلئے حویلیاں تعمیر کرائیں بی بی صاحبہ خود وہاں رہنے لگیں حضرت موج دریا خود کبھی بٹالہ اور کبھی لاہور رہتے تھے۔ دوسری بیوی کے بطن سے حضرت سید شہاب الدین ''نہرا'' پیدا ہوئے۔

☆ ایک روایت کے مطابق چونکہ آپ نے شیر شاہ حاکم کے پنجرے سے شیر کو آزاد کیا تھا اس لئے، بخطاب ''نہرا'' مخاطب ہوئے (ہندی میں ''نہرا'' کے معنی شیر ہیں)

☆ ایک روایت کے مطابق چونکہ آپ نہایت خوبصورت اور رعب دار تھے اور کوئی آپ سے علم ظاہری اور باطنی میں گفتگو نہیں کر سکتا تھا اس لئے آپ کے والد بزرگوار حضرت موج دریاؒ نے آپ کو اسی خطاب سے سرفراز فرمایا۔

☆ حضرت شہاب الدین نہرا ابنِ موج دریاؒ اپنے وقت کے قطب اور قلندر مزاج ولی درویش تھے۔ آپ نے تمام عمر ذوق وشوق اور ہدایت خلق میں بسر کی آپ کی والدہ شاہی خاندان کی بیٹی تھی اور آپ بڑے خوبصورت نین نقش کی حسین مورت تھے۔ اِس کے باوجود آپ کا دبدبہ اور رعب وجلال بھی خوب تھا۔ علوم باطنی میں صاحب کمال تھے۔ حضرت شہاب الدین نہرا ابن حضرت موج دریاؒ کے کشف وکرامات کے بے شمار واقعات مشہور ہیں۔ مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں سمیت ہزاروں لوگ آپ سے فیض یاب ہوئے۔

مشہور ہے کہ آپ کے عہد میں ایک شخص شیر شاہ نام کا حاکم تھا۔ جو اپنے آپ کو صحیح النسب سید خیال کرتا تھا۔ اور ہندوستان کے سادات میں سے کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اپنے طبعی غرور سے سیدوں کے امتحان کیلئے اس نے ایک شیر پنجرے میں بند کر رکھا تھا اور ایک چوبی تیر اور لوہے کی زنجیر بنا رکھی تھی علاوہ ازیں لوہے کا ایک تنور بھی تیار کر رکھا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ جو صحیح النسب سیّد ہونے کا دعویٰ کرے وہ شیر کے سامنے آجائے تپتے ہوئے تنور میں داخل ہو، اور لکڑی کے تیر سے لوہے کی زنجیر میں چھید کر دے۔ جو اِسکے پاس آکر سادات سے ہونے کا دعویٰ کرتا وہ اُسے ان سخت امتحانات سے گزرنے کا مطالبہ کرتا۔ اور جو اِس سے انکار کرتا وہ اُسے قید کر دیتا۔ چنانچہ کئی سیّد اُس کے مقید تھے حضرت شہاب الدین نہرا کو اِس بات کی اطلاع ملی آپ اُس وقت بٹالہ میں تھے۔ اور اپنے خادم ''محمد رفیع'' کو ساتھ لے کر شیر شاہ کے پاس ''چونڈ'' پہنچے۔ آپ نے پہلے شیر کے پنجرے کے پاس جا کر دروازہ کھولا اور شیر کو کان سے پکڑ کر باہر نکالا۔ اور کہا کہ حیف ہے کہ تجھ جیسا دلیر شیر پنجرے میں بند ہے۔ جا اپنی جگہ چلا جا چنانچہ شیر نے اپنی راہ لی۔ پھر لکڑی کا تیر لیا اور زورِ کرامت سے چلا کر زنجیر کو شگافتہ کر دیا۔ شیر شاہ نے یہ ماجرہ دیکھا تو کہنے لگا کہ ابھی ایک امتحان اور باقی ہے۔ حکم دیا کہ تنور گرم کیا جائے۔ اور اِس میں شہاب الدین داخل ہو آپ نے فرمایا کچھ مضائقہ نہیں لہٰذا اُسی

وقت تنور گرم کیا گیا آپ نے اپنے خادم ''محمد شفیع'' کو اپنا رومال دیا اور فرمایا کہ تنور میں داخل ہو جاؤ اور کہو ''یا نارِ کونی بردا وسلا ما علٰی ابراھیم'' آپ کے حکم کے مطابق خادم تنور میں چلا گیا۔ اور بسلامت نکل آیا۔ شیر شاہ حاکم نے جب یہ کرامت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تو آپ کے پاؤں میں پڑ گیا۔ اور آپ کا مرید ہوا۔ اور اپنے مال واموال سے کنارہ کش ہو گیا اور جن سادات کو قید کر رکھا تھا۔ اُن کو آزاد کر کے اپنا مال دے دیا۔ پھر باقی تمام زندگی آپ کی ارادت میں گزاری ''چونڈ'' میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

☆ حضرت میراں محمد شاہ المشہور حضرت موج دریا کو بڑی جاگیر نذر کرنے پر جلال الدین اکبر کے امیروں نے اعتراض کیا۔ شہنشاہ ہند نے کہا کہ حضرت صاحب عرفان و کرامات ہیں۔ امیروں نے عرض کی کہ اگر ہم آپ کی کرامت بچشم خود دیکھیں تو یقین کریں۔ جلال الدین اکبر نے کہا کہ کیا مضائقہ ہے۔ جو کرامت چاہو حضرت دکھا دیں گے۔ تب امیروں نے کہا کہ یہ بات مشہور ہے کہ جو سید حسبی نسبی ہو آگ میں نہیں جلتا۔ اگر آپ سید ہیں تو آگ میں جائیں۔ اگر نہ جلیں گے تو ہم معتقد ہوں گے کہ آپ سید اور ولی صاحب کرامت ہیں۔ حضرت موج دریا نے قبول فرمایا۔ پھر ''شاہی قلعہ لاہور'' میں ایک بڑا لوہے کا تنور گرم ہوا۔ جب آپ کے صاحبزادے سید شہاب الدین نے سنا کہ آج آپ کے والد حضرت موج دریا کیلئے شاہی قلعہ لاہور میں تنور گرم کیا گیا ہے تو آپ بھی قلعہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور شاہی قلعہ لاہور پہنچے اور جلال الدین اکبر کی طرف طمانچہ اُٹھایا۔ شہنشاہ ہند یہ منظر دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا۔ اور حضرت موج دریا سے پناہ مانگی۔ حضرت موج دریا نے آواز دی کہ اے شہاب الدین کیا تو ''نہرا'' (شیر) ہو گیا۔ فقیروں کو ایسی گرمی نہیں چاہیے۔ یہ سن کر آپ اصلی شکل پر آئے اور عرض کی یا حضرت امیرانِ اکبر اور خود اکبر آپ سے کرامت چاہتے ہیں۔ کہ آپ اس تنور میں جائیں۔ اوّل بندہ جو آپ کا فرزند ہے۔ تنور میں جاتا ہے۔ اگر مجھ کو آگ کی تاثیر ہوگی تو آپ کو اختیار ہوگا کہ آپ خود تنور میں جائیں۔

حضرت موج دریا نے فرمایا کہ کچھ حاجت نہیں کہ تم اور ہم تنور میں جائیں۔ بلکہ یہ کرامت ایک ادنیٰ خادمِ سادات سے سرزد ہو سکتی ہے۔ یہ بات کہہ کر آپ نے اپنے خدمت گار ''شیخ فرید'' کو جو وضو اور کھانا بنانے کی ڈیوٹی سرانجام دیتا تھا۔ کو فرمایا کہ تنور میں جاؤ خادم ارشاد سنتے ہی اللہ اکبر کہہ کر آگ میں کود کر ذکر الٰہی میں مشغول ہو گیا۔ یہ حال دیکھ کر شہنشاہ ہند اور اُس کے امیر

نہایت نادم ہوئے اور تنور پر جمع ہو کر ہر چند "شیخ فرید" کو آواز دینے لگے کہ وہ باہر تشریف لے آئے مگر حضرت موج دریا کا یہ خادم جنبش تک نہیں کر رہا تھا۔ بلآخر حضرت موج دریا کی خدمت میں آ کر التجا کی کہ یا حضرت خود ہی شیخ فرید کو آواز دیں کہ وہ تنور سے باہر آ جائے۔ آپ نے شیخ فرید کو آواز دی اور وہ تنور سے باہر آ کر آپ کے قدموں پر گر پڑا۔ "نہرا" ہندی زبان میں شیر کو کہتے ہیں۔ پھر آپ شہاب الدین "نہرا" کے نام سے مشہور ہوئے۔ سید شہاب الدین "نہرا" کی ولادت 965ھ میں اور وصال 1041ھ اور 1631ء میں ہوا۔ بعض روایت میں وصال 1027ھ تحریر ہے آپ کا مزار شریف موضع "بھوگی وال" لاہور میں واقع ہے۔

حضرت موج دریا کے چھوٹے بھائی حضرت سید جلال الدین بھی اپنے دور کے بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ آپ بھی اپنے والد سے بیعت ہوئے۔ اور فتح قلعہ چتوڑ کے بعد اپنے بھائی حضرت موج دریا کے ساتھ ہی لاہور آئے۔ اور تمام زندگی لاہور ہی میں گزاری خانقاہ میں درس و تدریس کی ذمہ داری آپ کے سپرد تھی۔

حضرت سیّد جلال الدین نے 1607ء عہد جہانگیری میں وصال فرمایا آپ کا مزار حضرات بی بی پاک دامناںؒ کے مزار شریف کے ساتھ ہے۔

☆ حضرت عبدالرزاق مکیؒ حضرت موج دریاؒ کے مشہور خلیفہ تھے۔ آپ جلال الدین اکبر کے زمانے میں غزنی، پشاور، لاہور سے ہوتے ہوئے دلی آئے۔ اور اکبری فوج میں ملازم ہو گئے۔ بعد میں لاہور آئے تو حضرت موج دریاؒ کی بیعت کر لی۔ اور باقی زندگی آپ کی خدمت میں گزاری۔ حضرت عبدالرزاق مکی تمام رات حضرت موج دریاؒ کے مزار شریف پر عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے اور دن کے وقت یہاں آ جاتے اور عبادت کرتے جہاں آپ کا مزار شریف ہے (نیلا گنبد) آپ نے 1673ء عہد عالمگیری میں وصال فرمایا اور چوک انارکلی بازار کے اندر نیلا گنبد میں آپ کا مزار شریف ہے۔

☆ بی بی فاطمہ سیدہ گیلانی حضرت موج دریاؒ کی زوجہ محترمہ اور حضرت صفی الدینؒ (فرزند حضرت موج دریاؒ) کی والدہ سادات گیلانی کی اولاد سے ہیں آپ کے والد بزرگوار سید عبدالقادر ثالث بن سید عبدالوہاب بن سید محمد بالا پیر گیلانی ہیں۔

آپ بڑی بزرگ، عابدہ، زاہدہ اور متقیہ تھیں۔ آباؤ اجداد سے کرامت و شرافت میراث میں پائی تھی۔ اور بی بی کلاں کے خطاب سے مشہور ہوئیں۔

روایت ہے کہ بی بی فاطمہ ایک روز اپنے دولت خانہ میں تشریف فرما تھیں کہ کسی سبب سے چادر مبارک مشکوک ہوگئی۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے اُسے دھویا اور دھوپ میں ڈالنا چاہا تاکہ سوکھ جائے۔ نماز عصر کا وقت تھا اور صرف گھر کے بیری کے درخت کی چوٹی پر دھوپ تھی آپ اُس درخت کے پاس ضرورتاً تشریف لے گئیں اور فرمایا کہ اے درخت مجھے چادر تجھ پر ڈالنا ہے۔ اگر تو نیچا ہو جائے تو کام بن جائے۔ چنانچہ درخت اس وقت پست ہو گیا۔ اور جب بی بی صاحبہ نے چادر اس پر ڈال دی تو وہ پھر اونچا ہو گیا۔ حضرت موج دریا نے گھر کے صحن سے دیکھا کہ بی بی کی چادر درخت کے اوپر پڑی ہے تو انہیں شک گزرا کہ بی بی نے درخت پر چڑھ کر یہ کام کیا ہے۔ چنانچہ آپ اُسی وقت گھر کے اندر تشریف لائے۔ اور غصے سے ہمکلام ہوئے۔ حضرت بی بی فاطمہ نے بتایا کہ میں درخت پر نہیں چڑھی بلکہ درخت نے سر نیچا کر کے چادر لی۔ اس پر حضرت موج دریا نے کہا کہ اگر یہ حقیقت ہے تو اس طرح درخت سے چادر اتارو۔ چنانچہ آپ پھر درخت کے پاس تشریف لے گئیں اور فرمایا کہ میں چاہتی ہوں کہ اپنی چادر تجھ سے واپس لوں یہ سنتے ہی درخت جھک گیا۔ اور بی بی صاحبہ نے چادر لے لی۔ حضرت موج دریا نے یہ کرامت دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ مرتبہ کس سے پایا۔ حضرت بی بی فاطمہ نے فرمایا کہ یہ ہماری موروثی دولت ہے۔

حضرت سیدہ بی بی فاطمہ المشہور بہ بی بی کلاں کا وصال 1016ھ 1607ء میں ہوا۔ آپ کا مزار حضرت موج دریاؒ کے روضہ مبارک میں ہے۔ جیسا کہ شروع میں تحریر کیا جا چکا ہے کہ آپ کے خاندان میں ولایت اور شرافت نسل در نسل قائم رہی اور آپ کے خاندان میں سورج، چاند اور ستاروں جیسی بے شمار ہستیاں پیدا ہوئیں۔ خاندان کی اکثریت مزار شریف کے قریب مدفون ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت شاہ چراغ کے احاطہ مزار "ہائی کورٹ" اور اِس کے اِردگرد بھی آپ کے خاندان کی قبور ہیں۔

حضرت میراں محمد شاہ موج دریاؒ کا مزار شریف آپ کی زندگی ہی میں شہنشاہ ہند جلال الدین اکبر نے ایک ٹیلے پر تعمیر کروایا۔ اور آپ نے جلال الدین اکبر کی وفات سے ایک برس قبل 17 ربیع الاول 1013ھ 1604ء کو بحکم "کل نفس ذائقۃ الموت" وصال فرمایا آپ کا وصال بٹالہ میں ہوا۔ جس مقام پر آپ کو غسل پاک دیا گیا عقیدت مندوں نے وہاں بھی آپ کی قبر بنادی جو آج تک موجود ہے۔ آپؒ کے فرزند کلاں حضرت سید صفی الدین

آپ کی میت لاہور لائے۔ اور مزار عالیہ میں جو جلال الدین اکبر کے حکم پر 1000ھ میں تیار ہو چکا تھا میں دفن کیے گئے۔

آپ کے مزار کے اوپر بہت بڑا گنبد ہے۔ مزار شریف کے اندر سنگ سیاہ کی لکیروں سے نقاشی کی گئی تھی۔ حال ہی میں رنگین شیشے کے پھول بوٹوں سے میناکاری کی گئی ہے۔ وسط میں آپ کا مزار شریف ہے دائیں جانب تین قبور جبکہ بائیں جانب ایک قبر ہے۔ سات چھوٹی قبریں قدموں میں ہیں۔ کسی بھی قبر پر کوئی نام درج نہ ہے۔ تمام کتبے نئے ہیں۔ مزار شریف کے اندر کل گیارہ قبریں ہیں۔ جو آپؒ کے فرزندوں اور عزیزوں کی ہیں۔

مزار شریف کے ساتھ زمانہ قدیم میں عالیشان حویلیاں تھیں اور وسیع لنگر خانہ ہوتا تھا علاوہ ازیں یہاں درویشوں اور مسافروں کے رہنے کیلئے قیام گاہیں موجود تھیں۔

آج یہ وہی عالیشان درگاہ ہے جو چاروں اطراف سے پراپرٹی ''بھارت بلڈنگ'' (سابق کپورتھلہ ہاوس اِس باغ اور عمارت کا نام ''کڈی باغ'' تھا۔ جہاں آج کل انکم ٹیکس کا دفتر واقع ہے) اور مہاراجہ پراپرٹی ڈیشنگ اور ایک وسیع ورکشاپ کے نرغے میں ہے۔ اور مزار شریف کا راستہ حضرت بابا موج دریا شاپ سے چند قدم کے فاصلہ پر مغل ریسٹورینٹ کے ساتھ ایک تنگ گلی سے نکلتا ہے۔ حالانکہ مزار شریف کا گنبد دور سے نظر آتا ہے۔ مگر مزار شریف کی عمارت اردگرد کی عمارات کی وجہ سے پس پردہ ہے۔ کچھ عرصہ قبل تک انکم ٹکس آفس کی طرف سے بھی راستہ مزار شریف کے عقب میں کھلتا تھا۔ جسے سیڑھیاں توڑ کر ختم کر دیا گیا ہے۔ ان قدیم سیڑھیوں کے نشانات آج بھی باقی ہیں۔

تاریخ لاہور کے مصنف رائے بہادر کنہیا لال 1884ء میں مزار شریف کے اپنے مکانات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ اِس مزار کی چار دیواری کے متعلق بہت سی عبارات ہیں۔ چنانچہ مسجد پختہ ومکان سکونت خادمان خانقاہ وچاہ وغیرہ سب پختہ عمارت کے موجود ہیں۔ مگر آج تقریباً 120 برس بعد یہاں کے حالات مختلف ہیں۔

مزار شریف کے گردونواع کے زیریں علاقہ میں بہت سی قبریں تھیں۔ آج کل اردگرد کا تمام حصے پر پختہ فرش ہے۔ اور عقب اور بائیں جانب برآمدے ہیں۔ دائیں جانب مسجد ہے جس کا راستہ الگ ہے۔ سامنے ایک طرف سماع حال ہے۔ سماع ہال کے سامنے زمانہ قدیم میں کچا تالاب ہوتا تھا جہاں پرندے وغیرہ پانی پیتے تھے۔ تقریباً 15 برس قبل اِس

تالاب کو ختم کر دیا گیا اور اِسی جگہ پر ایک چبوترہ تعمیر کیا گیا ہے۔ یہاں باجرہ چاول وغیرہ پرندوں کیلئے ڈالا جاتا ہے۔ جبکہ ساتھ ہی پانی کا چھوٹا سا حوض ہے۔ سینکڑوں کبوتر اور دیگر پرندے یہاں پر ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ اس وقت مزار شریف کے اندر اور باہر کا تمام فرش پختہ ہے۔ دروازہ کی پیشانی پر زرد حروف میں ایک پتھر پر یہ عبارت تحریر ہے۔

''روضہ مقدس زبدۃ الواصلین قدوۃ العارفین مقبول بارگاہ ہادی میراں سید محمد شاہ موج دریا بخاری نور اللہ مرقدہ۔ درعہد اکبر بادشاہ تعمیر یافت''۔

تاریخ لاہور میں لکھا ہے کہ مزار کے ہر ایک پہلو پر اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ سالانہ نذرانہ کے علاوہ خانقاہ کے اخراجات کیلئے چالیس روپے ماہوار دیا کرتا تھا۔ مسلمانوں میں اکثریت بزرگوں کی یادگار یعنی عرس مناتی ہے۔ جبکہ ایک ایسا طبقہ بھی ہے جو عرس کی رسم کو قطعاً ناجائز سمجھتا ہے۔ ایک طبقہ کے نزدیک اس طرح بزرگان سلف کی یادگار قائم رہتی ہے۔ اور بزرگوں کے حالات موجودہ اور آئندہ نسلوں کیلئے دینی و دنیاوی فوائد کیلئے ہوتے ہیں۔

البتہ عرس کے موقع پر ڈھول ڈھمکہ، ناچ گانا، مجرا، شور شرابا اور کھیل تماشا سرکس وغیرہ ہوں تو یقیناً سب مسلمان اسکے سخت خلاف ہیں۔ مگر ہماری بدنصیبی ہے کہ بزرگوں کے عُرسوں میں زیادہ تر انہی باتوں اور انہیں مشاغل کی وجہ سے رونق ہوتی ہے۔ حضرت موج دریاؒ کے عرس مبارک پر بھی بدقسمتی سے ہر سال 17 ربیع الثانی کو یہی شغل ہوا کرتا تھا۔

تحقیقات چشتی کے صفحہ 86 پر تحریر ہے کہ (رات کو چراغاں اور بھنڈارہ اور صبح کو مجلس طوائفاں اور سرود قوالاں ہوتا ہے۔ اور تماشائی کثرت سے شب باش ہوتے ہیں)۔

حضرت موج دریاؒ کا مزار شریف اے۔جی آفس ہائی کورٹ کے قریب موج دریا روڈ پر انکم ٹیکس دفتر کے ساتھ مغل ریسٹورینٹ کے عقب میں واقع ہے۔ اور محکمہ اوقاف کے زیر کنٹرول ہے۔

مفتی غلام سرور مرحوم نے جو تاریخیں کہیں وہ حسب ذیل ہیں:

سیّد پاک بحر عرفانی موج دریا ولی والا جاہ

''سید دین پیر روشن دل'' ہست تولیداد عیاں چوں ماہ

سالِ وصلش چواز خرد جستم گفت دل ''خواجہ محمد شاہ''

بہر تاریخ وصائش نامی حامد بگفت ''موجِ دریائے بخارا عزت بزم'' است سال

حضرت شاہ جمالؒ

آپ کا اسم شریف شاہ جمال ہے۔آپ کے والد گرامی مولانا عبدالواحد اور بھائی کا نام شاہ کمال تھا۔بعض مورخین نے آپ کی ولادت کا سن 966ھ تحریر کیا ہے۔آپ کے والد گرامی کا اسم شریف بھی ایک روایت کے مطابق مولانا عبدالواحد جبکہ ایک دوسری روایت کے مطابق عبداللہ ہے۔مگر مورخین کی اکثریت مولانا عبدالواحد کے نام پر متفق ہے۔مولانا عبدالواحد حاکم کشمیر سے تعلقات کشیدہ ہو جانے پر کشمیر سے سیالکوٹ آ گئے تھے۔آپ کے بزرگ قاضی جمال الدین بڑشاہی کی اولاد میں سے تھے۔جو کشمیر کا معزز ترین خاندان اور علم وعرفان میں خاص مقام رکھتا تھا۔حضرت شاہ جمال دو بھائی تھے۔

1- شاہ کمالؒ 2- شاہ جمالؒ

دونوں بھائی بزرگ با مسمّٰی صاحب جمال اور صاحب کمال تھے۔اور دونوں بزرگ بھائیوں کے مزار شریف قریب قریب واقع ہیں۔شاہ کمال آپ کے بڑے بھائی تھے۔جن کا مزار شریف چند قدم کے فاصلہ پر شاہ کمال کالونی کے قریب واقع ہے۔آپ بھی ایک عابد وزاہد اور جید عالم دین تھے۔

حضرت شاہ جمال پڑھائی میں دلچسپی نہ رکھتے تھے۔اِسی وجہ سے تعلیم پر کوئی خاص دھیان نہ دیا۔آپ سے منسوب ایک واقع تحریر ہے۔کہ آپ ایک روز گلی میں دیگر بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول تھے کہ ایک درویش کامل کا ادھر سے گزر ہوا۔درویش نے آپ سے فرمایا کہ اچھے بچے اپنی زندگی کے ابتدائی ایام کھیل کود میں ضائع نہیں کرتے۔اِس نصیحت کا آپ پر اِس قدر اثر ہوا۔کہ آپ نے باقاعدہ ایک دینی مدرستہ میں داخلہ لے لیا۔اور باقاعدہ دینی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی حضرت شاہ جمال جلال الدین اکبر کے دور حکومت 895ھ 1587ء میں لاہور تشریف لائے۔اور موضع اچھرہ کے مشرق کی جانب نشیبی علاقہ میں قیام پذیر ہوئے۔مفتی غلام سرور لاہوری حدیقۃ الاولیاء صفحہ 173 پر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ جمال نے موضع اچھرہ لاہور میں ایک ٹیلے پر قیام فرمایا،اور اِس جگہ پر دمدمہ بنانے کا پروگرام بنایا۔ٹیلے پر آپ نے جس جگہ قیام فرمایا اُس کے سامنے اُس وقت شہنشاہ ہند جلال الدین اکبر کی صاحبزادی شہزادی سلطان بیگم کا محل تعمیر ہو رہا تھا۔جس میں باغ،

بارہ دری اور تالاب سمیت اور بہت کچھ تعمیر ہو رہا تھا اور بے شمار معمار اور مزدور وہاں کام کر رہے تھے۔ حضرت شاہ جمالؒ نے محل کی تعمیر کرنے والے معماروں اور مزدوروں سے بات کی کہ آپ اس جگہ دمدمہ کی تعمیر فرمانا چاہتے ہیں کیونکہ علاقہ بھر کے لوگ یہاں مزدوری کر رہے ہیں اور اس محل کی وجہ سے دور دور تک کے مزدور یہاں کام کر رہے ہیں جس کی وجہ سے مزید مزدور اور معمار دستیاب نہ ہیں۔ لہٰذا وہ رات کو دمدمہ کی تعمیر کر دیا کریں۔ مزید یہ کہ خواہ کوئی ایک پہر کام کرے یا دو پہر آپ اسے پورے دن کی اجرت ادا فرماتے رات کو چراغ روشن کر کے کام کیا جاتا۔

☆ ایک رات کام کے دوران چراغوں سے تیل ختم ہو گیا۔ تو آپ نے چراغوں میں پانی ڈالنے کا حکم فرمایا۔ پھر چراغوں میں پانی ڈالا گیا۔ تو خدا کی قدرت سے چراغ بدستور جلتے رہے۔ دمدمہ کے سامنے شہزادی سلطان بیگم بنت جلال الدین اکبر کے محل کے قریب ہی شہزادہ سلیم (نورالدین محمد جہانگیر) کی ایک وسیع سرائے تھی۔ جس میں پندرہ سے بیس ہزار افراد کی گنجائش تھی۔ سکھ دورِ حکومت میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اِس سرائے میں گولا بارود بنانے کی فیکٹری قائم کر دی تھی۔

☆ تذکرہ اولیاء لاہور کے صفحہ 88 پر محمد لطیف ملک تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک ہندو کھتری حصول اولاد کیلئے دعا کی غرض سے حضرت شاہ جمال کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ کو خربوزوں کا تحفہ پیش کیا۔ حضرت شاہ جمال نے اُن خربوزوں میں سے دو خربوزے اُس ہندو کھتری کو عنایت کیے اور فرمایا کہ اپنی بیوی کو کھلا دے۔ اور ساتھ ہی دو بیٹوں کی خوشخبری دی۔ خدا کی قدرت سے کھتری کے گھر دو بیٹے پیدا ہوئے جن میں سے ایک شیخ فخرالدین آخر دم تک آپ کی خدمت میں رہا۔

☆ شیخ فخرالدین کو آپ نے ایک مکان خرید کر دیا جس میں وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ ایک روز حضرت شاہ جمال شیخ فخرالدین کے مکان پر تشریف لے گئے اور مکان سے باہر کھڑے ہو کر آواز دی کہ فخرالدین اہل وعیال واسباب لے کر فوراً باہر آ جاؤ شیخ فخرالدین نے فوراً تعمیل کی۔ جونہی وہ نکلے مکان گر گیا۔

حضرت شاہ جمال نہایت خوش اخلاق، عابد وزاہد اور علم ودانش کے پیکر تھے۔ فیاض اور سخاوت میں آپ کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ آپ کے متعلق مشہور ہے کہ بوقت

ضرورت آپ اپنے مصلّٰی کے نیچے سے مطلوبہ رقم نکال کر حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔

☆ آپ کے مرید خاص حضرت پیر حسن شاہ جو شیخ حسو تیلی کے نام سے مشہور ہوئے۔ موصوف اناج اور تیل کی تجارت کرتے تھے۔ آپ کی دوکان چوک جھنڈا میں تھی۔ شیخ حسو اکثر و بیشتر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ (جو ناپ تول میں ڈنڈی مار جاتا تھا) اور آپ اُسے ہر مرتبہ یہی فرماتے کہ کاروبار میں دیانتداری پہلی شرط ہے۔ شیخ حسو نے آپ کی بات پلے باندھ لی یہاں تک کہ جنس فروخت کرتے وقت فرماتے کہ خود اپنے ہاتھ سے غلہ تولو۔ اب جو شخص آپ کے ساتھ ایمانداری کرتا یعنی غلہ صحیح تولتا تو اُس کی جنس گھر جا کر اصل سے زیادہ ہوتی اور جو آپ کے ساتھ بے ایمانی کرتا یعنی جنس زیادہ لے جاتا۔ تو گھر جا کر اس کی جنس کم پڑ جاتی تھی آپ کا کاروبار خوب چمکا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے شیخ حسو نہایت مالدار ہو گیا اور خدا کی قدرت سے اتنی برکت ہوئی کہ آپ نے تولنے والے باٹ بھی سونے کے بنوا لئے۔ پھر ایک روز شیخ حسو "سونے" کے باٹ لے کر حضرت بابا شاہ جمال کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ حضرت آپ کی توجہ سے اِس قدر برکت ہوئی کہ سنگہائے ترازو بھی میں نے سونے کے بنوا لیے ہیں آپ نے مسکرا کر فرمایا تو اس کا مطلب ہے کہ تم نے ایمانداری کو اپنا لیا ہے۔ شیخ حسو نے جواب دیا حضرت آپ کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ اس پر حضرت شاہ جمال نے فرمایا کہ اس ایمانداری کا امتحان لوں۔" شیخ حسو نے کہا حضرت ضرور اس پر حضرت بابا شاہ جمال نے فرمایا کہ جاؤ ان سونے کے باٹوں کو دریا میں پھینک آؤ۔ شیخ حسو نے بلا تاخیر باٹ لئے اور دریائے راوی میں پھینک آیا۔ دو روز بعد لاہور کے مضافات کے دیہاتوں سے دیہاتی حسب معمول غلہ فروشی کرنے لاہور آئے۔ تو انہوں نے دریا کے کنارے چمکتے ہوئے سونے کے باٹ دیکھے۔ اب ہر شخص جانتا تھا کہ سونے کے باٹ تو صرف شیخ حسو کے پاس ہی تھے چنانچہ وہ لوگ یہ باٹ اُٹھا کر شیخ حسو کی دوکان پر لے آئے۔ اور بتایا کہ شیخ صاحب یہ باٹ دریا کے کنارے پڑے تھے ہم اٹھا کر لے آئے ہیں۔

شیخ حسو باٹ لے کر حضرت بابا شاہ جمال کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ بیان کیا حضرت بابا شاہ جمال نے فرمایا کہ میاں حسو! تمہاری ایمانداری سرخرو ہو گئی ہے۔ یہ راستی کا معمول تھا کہ تم نے ایمانداری شروع کر دی ہے کم تولنا چھوڑ دیا تو کمائی حلال ہو گئی۔ اور یہ رزق حلال کی برکت ہے۔ کہ تم نے اپنی حلال کی کمائی کو دریا میں ڈالا تو اس نے بھی اس کو

ضائع نہیں ہونے دیا اور تمہارا مال باحفاظت تم تک پہنچ گیا۔ اسی روز سے شیخ حسو آپ کے مرید ہوئے پھر دوکان اور کاروبار سب خدا کی راہ میں دے دیا اور دن رات زہد و ریاضت میں بسر کرنے لگے۔ اور چند برسوں ہی میں ولایت کا درجہ حاصل کرلیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ شیخ حسو تم اپنا کاروبار کرو کیونکہ کسب کمال کرنا بھی عبادت ہے۔ چنانچہ شیخ حسو نے دوبارہ غلہ فروشی شروع کر دی۔ ایک روز آپ غلہ "تلوا" رہے تھے اور ساتھ ساتھ دھارنیں گنتے جا رہے تھے جب تیرہویں دھارن گن رہے تھے تو آپ کے منہ سے نکلا "تیراں تیراں" تیراں کی تکرار نے آپ کی معرفت کو بیدار کر دیا۔ آپ نے اس کا مطلب یہ لیا کہ "یاالٰہی میں تیرا ہوں" پس آپ نے پھر کاروبار چھوڑ دیا۔ اور باقی زندگی ولایت میں بسر کی۔ ایک عرصہ بعد پھر حضرت شاہ جمال نے آپ کو ہدایت کی کہ خدا کی یاد کے ساتھ اپنا کام بھی کرو۔ چنانچہ آپ ایک مرتبہ پھر سلوک میں آ گئے۔ اور پھر تیل بیچنے کا کام شروع کیا اور اسی وجہ سے آپ کے نام کے ساتھ لفظ "تیلی" لگ گیا۔ آپ نے تمام عمر ریاضت و عبادت اور کسب کمال میں گزاری آپ کا مزار شریف "جانکی دیوی" ایبٹ روڈ جمعیت سنگھ خیراتی ہسپتال کے احاطہ میں ہے۔ حضرت شاہ جمال کی متوکلانہ زندگی کا ایک اہم حصہ مجاہدات ہیں آپ طویل اور یکے بعد دیگرے چلہ فرماتے تھے۔ آخری ایام میں چلہ کشی بہت زیادہ ہوگئی تھی۔ یہاں تک کہ آپ کا وصال بھی چلہ کے دوران ہی ہوا۔

حضرت شاہ جمالؒ کے چلہ کشی کے مقامات

1- چلہ گاہ اچھرہ (لاہور) دمدمہ جس میں آپ کا وصال ہوا۔ اس دمدمہ کو موجودہ از سر نو تعمیر کے وقت شہید کر دیا گیا تھا۔

2- چلہ گاہ شاہدرہ (لاہور)

3- چلہ گاہ شاہ رحمان (بھڑی شریف)

4- چلہ گاہ شیخوپورہ (شاہ جمال روڈ شیخوپورہ قلعہ کے قریب واقع ہے)

5- چلہ گاہ گورداسپور (ریاست چمبہ بھارت) یہاں آپ کی نشت گاہ ہے۔ اور ہر سال عرس مبارک ہوتا .....

تاریخ کے اوراق آپ ی شادی کے بارے میں خاموش نظر آتے ہیں۔ آپ کے چلہ کشی کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تجرد میں زندگی بسر کی اور تمام وقت خدا سے لو لگانے میں صرف کر دیا۔ اور یوں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ، حضرت داتا گنج بخشؒ اور

حضرت میاں میرؒ کی طرح تمام عمر شادی نہیں فرمائی حضرت شاہ جمالؒ نے شہزادہ خرم شاہجہان کے دور حکومت میں وصال فرمایا۔ حدیقۃ الاولیاء کے صفحہ 173 پر مفتی غلام سرور لاہویؒ نے آپ کی تاریخ 14 ربیع الثانی 1049ھ تحریر فرمائی ہے۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے ہی خزینہ الاصفیاء کے صفحہ 767 پر آپ کے وصال کی تاریخ 4 ربیع الثانی 1049ھ تحریر کی ہے۔ پیر غلام دستگیر نامی نے حضرت شاہ جمال کے وصال کا سن 1639ء تحریر کیا ہے۔

تاریخ لاہور کے مصنف سید محمد لطیف اولیاء لاہور کے مصنف محمد لطیف ملک تحقیقات چشتی کے مولف مولوی نور احمد چشتی کے مطابق آپ کا وصال بروز پنج شنبہ 4 ربیع الثانی 1061 ہجری بمطابق 1651 عیسوی میں ہوا۔ تمام روایات میں سے خزینۃ الاصفیاء کے مصنف مفتی غلام سرور لاہوری کی روایت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ جس کے مطابق حضرت شاہ جمال کا وصال 4 ربیع الثانی 1049ھ کو ہوا۔ اور اِس تاریخ کو آپ کا سالانہ عرس مبارک نہایت عقیدت واحترام سے منعقد ہوتا ہے۔ دن رات عقیدت مند آستانہ عالیہ پر حاضری دیتے ہیں۔ اور فیوض و برکات سے جھولیاں بھر بھر کر لے جاتے ہیں۔ آپ کا سلسلہ طریقت خلفاء کے ہاتھوں جاری وساری ہے۔ یقیناً حضرت شاہ جمال کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہوگی۔ مگر تذکروں میں صرف دو نام ملتے ہیں حضرت حسن شاہ ولی ''المشہور شیخ حسو تیلیؒ'' جبکہ دوسرے حضرت شیخ فخر الدینؒ ہیں آپ اور آپ کی اہلیہ کی قبریں مزار شریف کے ساتھ واقع ہیں۔

☆ حضرت شاہ جمالؒ کے وصال کے تیس برس بعد آپؒ کے عرس مبارک پر ایک منہ پھٹ فقیر آیا اُسے لنگر سے دو روٹیاں دی گئیں تو اُس نے کہا تم عجیب آدمی ہو کہ بے کفن روٹیاں دیں (یعنی سالن کے بغیر) سجادہ نشین کے منہ سے نکلا کہ اچھا تمہیں کفن بھی مل جائے گا۔ چنانچہ اُسی وقت اُسے ہچکی چڑھی اور زمین پر گر کر مر گیا اس فقیر کی قبر اس خانقاہ میں عبرت آموز خلق ہے

حضرت شاہ جمال کا مزار شریف فیروز پور روڈ ''اچھرہ'' کے ساتھ شاہ جمال سٹاپ کے بائیں جانب چند قدموں کے فاصلے پر تقریباً بیس (20) فٹ بلند ٹیلے پر واقعہ ہے۔ مزار شریف تک پہنچنے کیلئے سامنے دو راستے مرد و خواتین کیلئے الگ الگ ہیں اور 38 سیڑھیاں چڑھنا پڑتی ہیں۔ جبکہ عقب سے 46 سیڑھیاں چڑھنا پڑتی ہیں۔ مزار شریف کی نئی عمارت سیڑھیاں اور مسجد حال ہی میں تعمیر ہوئی ہیں۔ چاروں طرف برآمدے ہیں۔ قدموں کی جانب خواتین کیلئے جگہ مخصوص ہے۔ جسے دیوار کے ذریعے الگ کیا گیا ہے۔ سرہانے دائیں جانب مسجد ہے مزار شریف حضرت شاہ جمالؒ محکمہ اوقاف کے زیر انتظام ہے۔

حضرت میاں میرؒ

حضرت میاں میر 938ھ 1531ء میں سیوستان میں پیدا ہوئے۔ ''سیوستان'' (سہوان) ٹھٹھہ اور بھکر کے وسط (صوبہ سندھ ضلع دادو) میں واقع ہے آپ 1575ء میں جلال الدین اکبر کے دور حکومت میں لاہور تشریف لائے۔ آپ کا اسم شریف میر محمد جبکہ عرف (۱) میاں میر (۲) میاں جیو (۳) بالا پیر (۴) شاہ میر (۵) میاں جی ہے

شہزادہ دارہ شکوہ سکینۃ الاولیاء میں میر محمد سے آپ کا نام میاں میر مشہور ہونے کی وجہ یوں تحریر کرتے ہیں کہ ہندی زبان میں ''میاں'' صاحب کو کہتے ہیں اور ''جی'' تعظیم کا لفظ ہے۔ اس لئے سب آپ کو ''میاں جی'' کہتے ہیں۔

سکینۃ الاولیاء کے صفحہ 25 پر شہزادہ دارہ شکوہ لکھتا ہے کہ آپ کے والد محترم قاضی سائیں دتہ دادا سائیں قلندر، نانا قاضی قادن اور والدہ ماجدہ بی بی فاطمہ تھیں۔ آپ کا شجرہ نسب ستائیس پشتوں سے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچتا ہے۔

آپ کے والد محترم قاضی سائیں دتہ اپنے وقت کے جید عالم ومتقی تھے شریعت کو طریقت سے اور طریقت کو حقیقت سے وابستہ رکھتے تھے اور ''سیوستان'' بلکہ سارے سندھ میں مشہور بزرگ ہو گزرے ہیں۔ (تحفۃ الکرم صفحہ 435 مصنف اختر رضوی)

سکینۃ الاولیاء کے مطابق آپ فاروقی النسل ہیں اور یہ کہ آپ چار بھائی اور دو بہنیں تھیں:

1- قاضی بولن 2- قاضی عثمان 3- قاضی طاہر 4- قاضی محمد امیر المشہور میاں میر

بی بی جمال خاتون اور بی بی جمال ہادی آپ کی دو بہنیں تھیں۔ آپ کی مادری زبان سندھی تھی۔ آپ کے خاندان میں علم وفضل کا بڑا چرچا تھا۔

آپ کے والد قاضی سائیں دتہ کے وصال کے وقت آپ کی عمر صرف سات (7) برس تھی۔ لہٰذا آپ نے والد کی وفات کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ جو زہد وتقویٰ کی بنا پر اپنے زمانے کی رابعہ مشہور تھیں کے زیر سایہ دینی تعلیم حاصل کی۔

ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کی اجازت سے سلسلہ قادریہ کے عظیم المرتبت صوفی حضرت شیخ خضر سیوستانی کے دست مبارک پر بیعت کی جو ہر وقت ریاضت ومجاہدہ میں مصروف رہتے تھے اور سیوستان سے باہر ایک پہاڑ میں مقیم تھے۔ آپ کے فیوض

وبرکات سے پورا سندھ منور تھا۔

آپ مرشد کے پاس کچھ عرصہ ریاضت ومجاہدہ میں مصروف رہے علوم باطنی کی تکمیل پر مرشد نے فرمایا کہ اب تمہارا کام مکمل ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب جہاں چاہو سکونت اختیار کرلو چنانچہ آپ حضرت شیخ خضر سیوستانی کی اجازت سے مغل شہنشاہ جلال الدین اکبر کے دور حکومت میں لاہور تشریف لائے۔ قیام لاہور کے دوران آپ نے مولانا سعد اللہ لاہوری مولانا نعمت اللہ لاہوری اور مفتی عبدالسلام لاہوری سے علوم وفنون پڑھے۔ دارہ شکوہ ان اساتذہ کے متعلق لکھتا ہے کہ آپ زمانہ بھر کے عالم فاضل اور باطنی علوم سے آراستہ تھے۔ داراشکوہ کے استاد علوم ظاہری حضرت اخوند میرک شیخ تھے۔ اور اخوند میرک کے استاد مولانا نعمت اللہ تھے۔ داراشکوہ لکھتا ہے کہ میرے استاد فرماتے تھے کہ ہمارے استاد مولانا نعمت اللہ لاہوری نے فرمایا کہ کئی سال تک حضرت میاں میر نے ہم سے علم تحصیل کیا اور ہم انہیں پڑھاتے رہے۔ لیکن ان کے باطنی صاحب کمال ہونے سے ہم مطلق بے علم رہے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ علوم معقول میں اپنے ہم سبقوں پر فوقیت لے گئے۔

علوم سے فارغ ہو کر آپ باغوں اور جنگلوں میں نکل جاتے یا بزرگان دین کے مزارات کی زیارت فرمایا کرتے۔ ایک دن موج میں آئے اور گھومتے پھرتے ''سرہند'' جا پہنچے وہاں پہنچ کر آپ کو گھٹنے کا درد شروع ہو گیا۔ یہاں ایک بزرگ حاجی نعمت اللہ سرہندی نے آپ کی تیمارداری کی۔ آپ نے اِس خدمت کے بدلے اپنا پہلا مرید حاجی نعمت اللہ کو کیا، حاجی نعمت اللہ سرہندی نے بعد میں سلوک وتصوف میں بڑا درجہ پایا۔ سرہند میں آپ نے تقریباً ایک سال کا عرصہ قیام کیا پھر واپس لاہور تشریف لے آئے۔ اور یہاں محلّہ ''باغباناں'' میں جسے دارہ شکوہ کے زمانے میں ''محلہ خوانی پورہ'' کہتے تھے میں مقیم ہوئے۔

تحقیقات چشتی کے مولف مولوی نوراحمد چشتی کے مطابق ''محلّہ خوانی پورہ'' موجودہ صدر بازار انارکلی کی جگہ تھا۔ اور پھر آپ عمر آخر تک رشد وہدایت میں مصروف رہے آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ ریاضت ومجاہدہ میں گذرا سکینۃ الاولیاء کے صفحہ 150 پر دارہ شکوہ نے آپ کی عبادت وریاضت کے تیس (30) مقامات کا تفصیلاً ذکر کیا ہے۔

آپ لوگوں کے میل جول سے پرہیز فرماتے دن کے وقت باغات، قبرستان یا جنگل میں یادالٰہی میں مصروف رہتے اور رات کو حجرے میں محو عبادت رہتے۔

حضرت میاں میر فنافی اللہ کی منزل پر تھے اور بیشتر وقت عبادت الٰہی میں گزارتے گوشہ نشین تھے شہرت اور تشہیر سے بیزار تھے۔ شہزادہ دارہ شکوہ کے مطابق آپ سندھ سے لاہور آنے کے بعد چالیس (40) برس تک گمنام رہے۔ آپ فقیروں اور درویشوں جیسا لباس نہیں پہنتے تھے۔ سفید دستار اور کھدر کا کرتا پسند فرماتے تھے اور فرماتے کہ لباس ایسا ہونا چاہیئے کہ کوئی پہچان ہی نہ سکے کہ یہ کوئی درویش ہے۔ صوفی ہے یا فقیر، نہایت ملنسار جوش اخلاق خلوت پسند۔ خوش مزاج تھے۔ اور ''جلالی'' نہیں بلکہ ''جمالی'' درویش تھے۔ بہت کم لوگوں کو اپنا مرید بناتے تھے۔ اور جسے مرید بناتے تھے تو اُسے کامل بنا دیتے تھے۔ جس وقت کوئی شخص اس نیت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ فرماتے ''جاؤ اپنا کام کرو'' حق کی طلب کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ جب تک تم اِس کی طلب میں مخلص نہ ہو گے اسے نہ پا سکو گے۔ نیز فرماتے کہ دل میں صرف ایک چیز سما سکتی ہے اِس لئے صرف اسے یاد حق کیلئے مجرد ہونا چاہیئے۔

جب کوئی طالب ترک وتجدید اختیار کرنے کا مصمم ارادہ کر لیتا تھا اور قطع علائق پر عامل ہو جاتا تھا تو آپ اسے ریاضت شاقہ یعنی کم خوری، کم خوابی اور کم گوئی کی تلقین فرماتے۔ اور اپنے حلقہ ارادت میں شامل کرنے سے پہلے یہ شعر پڑھ کر سناتے۔

شرط اوّل در طریقِ معرفت دانی کہ چیست
ترک کردن ہر دو عالم راد پشت پازدن
کسے را امتحان ناکردہ صد بار
نگر دانی تو اُورا صاحب اسرار

ترجمہ:۔ معرفت کے طریقے کی پہلی شرط جانتے ہو کیا ہے؟ دونوں جہانوں کو ترک کرنا اور پشت پا سے ٹھکرانا جس کا امتحان سو بار نہ لیا جائے اُسے صاحب اسرار مت سمجھو۔

آپ بیعت کے بعد ترک وتجدید پر عامل ہونے کی تلقین فرماتے اور آپ کے سلسلہ طریقت میں تجدید وتفرید کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ وہی طالب کمال پاتا ہے۔ جو اِس پر عمل کرے۔ آپ نذرانہ جات سے پرہیز فرماتے اور اگر کوئی نذرانہ دینے کی کوشش کرتا تو فرماتے کہ میں مفلس یا مستحق نہیں غنی ہوں اور جس کا خدا ہو وہ مفلس نہیں ہوتا۔

آپ کی جمالی شخصیت مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب کیلئے بھی پرکشش رہی یہی وجہ تھی کہ

سکھوں کے پانچویں گورو ''ارجن سنگھ'' نے جس وقت امرتسر میں دربار صاحب کی تعمیر کا ارادہ کیا تو تبرک کے طور پر عمارت کا سنگ بنیاد حضرت میاں میر ہی کے دست مبارک سے رکھوایا۔

☆ حضرت میاں میر کو لاہور آئے ابھی تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ آپ کے بھائی سیوستان سے آپ کی تلاش میں لاہور تشریف لائے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں اُسے کھانا کھلانے کیلئے متفکر تھا۔ اِس لئے کہ میرے پاس کچھ نہ تھا۔ میں نے بھائی کو حجرے میں بٹھایا اور خود باغ میں وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی اور خدا سے دُعا مانگی کہ اے پروردگار میرے پاس مہمان آیا ہے۔ اور تیرے سوا میرا کوئی پروردگار نہیں کہ جس پر میں بھروسہ رکھوں میرے پاس تو کچھ بھی نہیں فرماتے ہیں غیب سے ایسی آواز آتی ہوئی معلوم ہوئی کہ دُعا مانگنے سے پہلے ہی ہم نے تیری خواہش کو پورا کر دیا ہے۔ چنانچہ میں حجرے میں آیا تو ایک شخص موجود تھا۔ طعام کے علاوہ وہ نقدی بھی لایا تھا۔ نام پوچھا تو کہا ''خدا کا بندہ ہوں'' اور ہمارے کھانا کھا چکنے کے بعد خالی برتن لے کر اور سلام کہہ کر چلا گیا۔

دارہ شکوہ لکھتا ہے کہ آپ صرف ایک قسم کا کھانا کھایا کرتے اور وہ بھی مٹی کے برتن میں۔ اور اپنے ارادت مندوں کو بھی اِس میں شامل فرماتے۔ کھانا بہت کم کھاتے یعنی صرف زندہ رہنے کی غرض سے کھاتے۔ فرماتے کہ زیادہ کھانے سے توکل جاتا رہتا ہے۔ اور دل میں ہر وقت امید سی لگی رہتی ہے۔

☆ شہنشاہ نورالدین جہانگیر کی وفات کے بعد شہزادہ ''شہریار'' داماد نور جہاں نے لاہور میں بادشاہت کا مدعی ہو کر 75 لاکھ روپے ایک ہفتے میں خرچ کر کے پندرہ ہزار 15,000 فوج جمع کر لی اور علماء وفضلاء کو خوش کر کے اپنا طرفدار بنا لیا۔ آصف جاہ نور جہاں کے بھائی نے شہزادہ ''داور بخش'' ابن خسرو ابن جہانگیر کو برائے نام بادشاہ بنا کر مقابلہ کیا۔ اور شہزادہ ''شہریار'' کو شکست دے کر اندھا کرا دیا۔ شہریار نے اپنی چند روزہ بادشاہی کے دوران حضرت میاں میر کے پاس اپنا آدمی بھیجا کہ آپ خود میرے پاس آئیں یا اپنی دستار مبارک بطور تبرک ارسال کریں۔ آپ نے دونوں باتوں سے انکار کرتے ہوئے کہا بھیجا کہ فقیروں کو بادشاہوں سے کیا مطلب اور کیا تعلق؟

شہریار کو یہ جواب پسند نہ آیا اُس نے ایک اور معتبر کو آپ کے پاس بھیجا کہ جس طرح بھی ہو آپ کی دستار مبارک حاصل کر کے لائے۔ دارہ شکوہ لکھتا ہے کہ آپ نے آخر نہایت

ناراضگی کے عالم میں دستار مبارک اپنے سر سے اتار کر زمین پر دے ماری اور کہا "لے جاؤ" ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ وہ ناخلف اندھا کر کے مار ڈالا گیا۔

☆ شہنشاہ نورالدین جہانگیر، شہاب الدین شاہجہان، اور شہزادہ دارہ شکوہ نے آپ سے کئی ملاقاتیں کیں۔ دارہ شکوہ آپ کے خلیفہ ملاء شاہ بدخشانی کا مرید تھا۔ لیکن حضرت میاں میر سے گہری عقیدت رکھتا تھا۔ دارہ شکوہ نے سکینۃ الاولیاء آپ کے حالات میں لکھی ہے۔ نورالدین جہانگیر پر آپ کی باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ وہ دنیاوی تعلقات کو چھوڑنے پر آمادہ ہوگیا۔ آپ نے جہانگیر کو مخاطب ہو کر فرمایا "تمہارا وجود خلق خدا کی پاسبانی کیلئے ہے اور تمہارے عدل کی برکت سے فقراء تک دل جمعی سے اپنے کام میں مشغول ہیں۔ پہلے تم اپنے جیسا خلقت کی نگہبانی کیلئے کوئی پیدا کرو پھر ترک دنیا کا خیال دل میں لاؤ"۔

شہاب الدین شاہجہان نے بھی لاہور میں دو مرتبہ آپ سے ملاقات کی دارہ شکوہ بھی ساتھ تھا۔ دارہ شکوہ لکھتا ہے کہ جب ہم آپ کے حجرہ میں داخل ہوئے تو آپ نے سلام دُعا کے بعد بادشاہ سے فرمایا "عادل بادشاہ کو اپنی رعیت اور سلطنت کی خبر گیری کرنی اور اپنی تمام ہمت اپنی ولایت کی آبادی و سرسبزی میں صرف کرنی چاہئے۔ کیونکہ اگر رعیت آسودہ اور ملک آباد ہے۔ تو سپاہ آسودہ اور خزانہ پُر رہے گا" اِس کے بعد مذہبی گفتگو ہوتی رہی پھر بادشاہ سے میری علالت کی کیفیت سن کر مجھے پانی دم کر کے دیا جس سے ایک ہفتہ کے اندر مجھے صحت کامل ہوگئی۔

دوسری مرتبہ جب شہنشاہ شہاب الدین شاہجہان آپ سے ملنے کو آیا تو شال کی دستار اور کھجوروں کی تسبیح نذر کو لایا اور عرض کی کہ آپ چونکہ دنیاوی مال سے کنارہ کش ہیں۔ اِس لئے یہ نذر قبول فرمائیں۔ آپ نے دستار تو واپس کر دی لیکن تسبیح قبول فرما کر چند دنوں کے بعد داراشکوہ کو عنایت کر دی دارہ شکوہ کو آپ سے بے حد عقیدت تھی۔ یہاں تک کہ آپ کے چبائے ہوئے اور پھینکے ہوئے لونگ بھی کھا لیتا تھا۔ اور جب بالا خانے پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو جوتے اُتار کر ننگے پاؤں جاتا۔ داراشکوہ لکھتا ہے کہ بعض حاضرین کو یہ امر ناگوار گزرتا تھا لیکن میں کمال ارادت و خلوص سے اس کو اپنی سعادت مندی سمجھتا تھا۔ حضرت میاں میر کو بھی دارہ شکوہ سے کمال الفت تھی ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پوچھا کیا نام ہے اور کیا کام کرتے ہو؟ اُس شخص نے اپنا نام بتایا اور کہا سرکار

داراشکوہ کا ملازم ہوں۔ یہ سن کر آپ نے اُسے اپنے پاس بٹھایا اور فرمایا:

اے گل بتو خورسندم تو بوئے کسے داری

دارہ شکوہ لکھتا ہے کہ تسبیح خوانی آپ کو پسند نہ تھی اور آپ گودڑی، جُبہ اور خرقہ سب کو محض دکھلاوا اور نمائش خیال کرتے تھے۔ ہلکے کپڑے کی پگڑی اور موٹے کپڑے کا کُرتا پہنتے کپڑے میلے ہو جاتے تو خود دریائے راوی پر جا کر اپنے دست مبارک سے دھوتے۔ البتہ ہمیشہ صاف ستھرے کپڑے پہنتے۔ گھر میں پرانے بوریے کا فرش رہتا تھا۔ اِسی فرش پر شہنشاہ نورالدین جہانگیر شہاب الدین شاہجہان شہزادے اور دیگر امراء بیٹھا کرتے تھے۔

☆ شیر پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ زندگی بھر آپ کے مزار شریف پر نذرانہ بھیجتا رہا یوں مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب میں بھی آپ کے ارشادات کو بڑی اہمیت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ دارہ شکوہ یہ بھی لکھتا ہے کہ آپ نغمہ وراگ سنا کرتے لیکن نہ آپ نے کبھی کسی قوال کو بلایا نہ کسی قوال کو کبھی ہمراہ رکھا اور نہ سماع کے دوران کبھی وجد ورقص کیا۔ قوال جب کبھی خود بخود آتے اور محفل سماع گرم ہوتی تو اِس وقت آپ کے چہرے سے کمال سرور ظاہر ہوتا۔ ریش مبارک کا ایک ایک بال کھڑا ہو جاتا اور چہرہ چمکنے لگتا لیکن وقار وتمکنت کی وجہ سے کوئی حرکت آپ سے ظہور میں نہ آتی۔ آپ فرمایا کرتے کہ انسان تین چیزوں، نفس، دل اور روح کا مجموعہ ہے اِن میں سے نفس کی اصلاح شریعت سے، دل کی طریقت سے اور روح کی حقیقت سے ہوتی ہے۔ لیکن سب سے بڑا مرتبہ شریعت کا ہے۔ آپ کو رائج الوقت جملہ علوم وفنون پر دسترس حاصل تھی۔ علم تفسیر حدیث، تصوف کے اسرار و رموز اِس انداز سے بیان فرماتے تھے کہ بڑے بڑے علماء وفضلاء دنگ رہ جاتے تھے۔ دارہ شکوہ لکھتا ہے کہ عالم و فاصل اور صوفی کامل ہونے کے باوجود آپ نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی آپ ''وحدۃ الوجود'' کے مسلک پر کاربند تھے۔ اور عرصہ دراز تک فتوحات مکیہ اور خصوصی الحکم کا درس دیتے رہے۔ تجدید وتفرید پر عمل پیرا رہے کیونکہ اپنا تمام وقت خدا سے لو لگانے اور پیغام حق کی تشہیر میں صرف کرتے اِس لئے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت داتا علی ہجویریؒ کی طرح اِس راہ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے تمام عمر شادی نہ کی۔

آپ پر تغیر وتجرد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح غالب تھا۔

آپ نے اپنی زندگی کے تقریباً ساٹھ (60) برس دنیا کے اِس قدیم تاریخی شہر لاہور میں

گزارے پھر بڑھاپے کی وجہ سے اکثر بیمار رہنے لگے۔ لیکن ہر حال میں نماز ادا کرتے۔
وصال سے پانچ روز قبل مرض اسہال میں مبتلا ہوئے با آخر 17 ربیع الاوّل 1045ھ کو بروز
منگل محلہ خوانی (موجودہ انارکلی بازار) میں اپنے حجرے کے اندر وصال فرمایا۔ آپ کے وصال
کے سال پر تقریباً تمام مورخین و محققین متفق ہیں۔ لیکن عمر کے بارے میں بعض میں اختلاف پایا
جاتا ہے۔ دارہ شکوہ سکینۃ الاولیاء کے صفحہ 188 پر لکھتا ہے کہ بعض لوگ آپ کی عمر
107 برس اور بعض 97 برس بتاتے ہیں مگر آپ کے بھتیجے کی روایت کے مطابق آپ کا سال
ولادت 957ھ اور وصال 1045ھ ہے۔ اِس حساب سے آپ کی عمر 88 برس بنتی ہے۔
سکینۃ الاولیاء میں دارہ شکوہ نے اپنی چشم دید اور حضرت کے مریدوں سے سن کر آپ کی
کئی کرامتیں لکھی ہیں۔ دارہ شکوہ لکھتا ہے کہ حضرت میاں جیو رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ
وفات کے بعد مجھے شور زمین میں دفن کرنا تاکہ میری ہڈیوں کا نام ونشان تک باقی نہ رہے اور
میری قبر کو بھی سادہ رکھنا مزید فرمایا دیکھنا میری ہڈیوں کو نہ بیچنا اور میری قبر پر دوسروں کی طرح
دوکان نہ بنالینا۔ حضرت میاں میرؒ کو آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے مریدین کے ساتھ
موضع ہاشم پورہ نزد دارہ پور میں دفن فرمایا گیا۔ موضع ہاشم پورہ 1053ھ میں شہزادہ دارہ شکوہ
کے حکم پر مسمار کر دیا گیا تھا آج کل یہ علاقہ آپ کی نسبت سے ''میاں میر'' مشہور ہے۔

☆ تاریخ لاہور میں سید محمد لطیف لکھتے ہیں کہ شہزادہ دارہ شکوہ نے اپنے روحانی
پیشوا حضرت میاں میرؒ کے مزار کی عمارت کیلئے پتھر جمع کیا تھا اورنگ زیب عالمگیر نے تخت
نشینی کے بعد یہ پتھر بادشاہی مسجد کی عمارت میں لگوا دیا جبکہ حضرت میاں میرؒ کے مزار شریف
پر ایک سادہ سی عمارت تعمیر کروادی۔ سنگ سُرخ کی وجہ سے مورخین حضرت میاں میرؒ کے
مزار شریف اور بادشاہی مسجد کا بہت کچھ باہمی تعلق بیان کرتے ہیں۔ ایک مورخ کے مطابق
دارہ شکوہ نے اپنے محل سے لے کر حضرت میاں میرؒ کے مزار شریف تک ایک سڑک سنگ
سُرخ سے تعمیر کروائی تھی لیکن جب اورنگ زیب عالمگیر تخت نشین ہوا تو اِس نے سڑک سے
تمام پتھر نکلوالیا، اور اِسی پتھر (سنگ سرخ) سے بادشاہی مسجد تعمیر کی گئی۔ سکینۃ الاولیاء میں
دارہ شکوہ نے آپ کے ارادت مندوں کی تفصیل لکھی ہے۔ جن میں سے تیرہ (13) مشہور
اصحاب درج ذیل ہیں۔

-1	حاجی نعمت اللہ سرہندی	-2	میاں نتھا لاہوری
-3	حضرت ملاء شاہ بدخشانی	-4	خواجہ بہاری
-5	ملاء محمد سیالکوٹی	-6	حاجی مصطفیٰ سرہندی
-7	ملاء حامد گجر	-8	ملا روحی مسمی بہ ابراہیم
-9	ملا خواجہ محلاں لاہوری	-10	حاجی صالح کاشمیری
-11	شیخ ابوالکلام	-12	ملا محمد سعید کاشمیری

-13 شیخ عبدالواحد بنیانی (اکثر کی قبریں قبرستان حضرت میاں میرؒ میں موجود ہیں)

☆ داراشکوہ نے سکینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ میں نے (شیخ عبدالواحد بنیانی جو آپ کے مرید خاص تھے) سے پوچھا کہ ہمیں حضرت صاحب کی کچھ کرامات بنایئے کہنے لگے کرامتیں تو حد سے زیادہ ہیں بہرحال ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک روز میاں جیو (میاں میرؒ) باغ مرزا کامران کے سامنے دریا کے کنارے لیٹے ہوئے تھے۔آپؒ کے پاؤں میں تکلیف تھی۔ میں پاؤں دبا رہا تھا۔اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بہت بڑا سانپ چلا آرہا ہے۔آپ نے فرمایا''اسے آنے دو''جونہی وہ قریب آیا آپ اٹھ کر بیٹھ گئے۔سانپ بھی آپ کے حضور میں بلند ہو کر بیٹھ گیا اور کچھ کہا جسے میں نہ سمجھ سکا حضرت میاں جیو (میاں میرؒ) نے جواب میں فرمایا''خوب! ایسا ہی سہی''سانپ اٹھا۔تین مرتبہ حضرت کے گرد پھرا اور چلا گیا۔ میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ سانپ نے کیا کہا تھا۔آپ نے فرمایا سانپ نے یہ کہا تھا کہ میں نے تہیہ کیا تھا کہ جب آپ کو دیکھوں گا تو آپ کے گرد طواف کروں گا۔ جواب میں میں نے کہا''خوب! ایسا ہی سہی''۔

حضرت میاں میرؒ کا عرس مبارک ہر سال 7 ربیع الاوّل کو ہوتا ہے۔ایک دن اور ایک رات کیلئے ملک بھر سے لوگ یہاں حاضری دیتے ہیں۔

مولوی نور احمد چشتی تحقیقات چشتی کے صفحہ 261 پر تقریباً ایک سو پچاس (150) برس قبل کی حالت بیان کرتے ہیں۔''مزار کے بیرونی دروازہ کے باہر مغربی جانب ایک دوکان شراب کی بھی کھل جاتی ہے۔اور کئی اکھاڑے چرسیوں (حقہ پلانے والوں) اور ساقوں کے لگ جاتے ہیں''اللہ اکبر یہ اس بزرگ کے مزار کا حال ہے۔جو شریعت کو سب پر مقدم سمجھتے تھے جو حضور قلب کے بغیر ہر نماز کو نماز نہ سمجھتے تھے۔جنہوں نے آخری وقت میں ہدایت کی تھی کہ میری قبر کو دوکان نہ بنالینا جو حتی الامکان عوام کو آزمائش کے بغیر مرید نہ کرتے تھے۔ جو

ہمیشہ نماز باجماعت ادا کیا کرتے تھے۔ان کے مزار پر شراب نوشی کی دوکان اور بھنگیوں اور چرسیوں کا اجتماع تعویر تو اے چرخ گرداں تفو۔حضرت میاں میرؒ نے کیونکہ زندگی بھر شادی نہ کی تھی لہٰذا شہزادہ دارہ شکوہ نے آپ کے وصال کے بعد آپ کی بہن حضرت بی بی جمال خاتون کے صاحبزادے حضرت شیخ محمد شریف کو''سیوستان سندھ'' سے بلوا کر 1054ھ میں سجادہ نشین مقرر کیا۔علاوہ ازیں خانقاہ سے ملحق تمام عمارات وجائیداد بھی داراشکوہ نے شیخ محمد شریف کے سپرد کردی۔حضرت شیخ محمد شریف کے وصال کے بعدان کی اولاد پشت در پشت سجادہ نشین رہی۔حضرت میاں میر کا مزار لاہور ریلوے اسٹیشن سے 13 نمبر نیوخان سٹی بس آر اے بازار کے راستے مصطفیٰ آباد شاپ پر دائیں جانب 12 انفینٹری روڈ سے چند قدم کے فاصلے پر واقع ہے۔عہد مغلیہ میں تعمیر ہونے والا لاہور کا سب سے وسیع اوراپنی اصل حالت میں موجود یہ مزار شریف سنگ سرخ کے وسیع صحن کے وسط میں تقریباً چار فٹ بلند ایک چبوترے پر واقع ہے جہاں عورتوں کے داخلے کی ممانعت ہے مزار کی چھت پر گنبد نہ ہے بلکہ لہریہ چھت مقبرہ زیب النساء (سمن آباد) سے مشابہ ہے۔مقبرہ زیب النساء بھی اس دور کی''1080ھ 1669ء) کی تعمیر ہے(تفصیل راقم کی کتاب''لوہ کوٹ سے لاہور تک''میں)۔

حضرت میاں میرؒ نے''1045ھ 1634ء'' میں وصال فرمایا اور تقریباً چالیس 40 برس بعد آپ کا مزار شریف تعمیر کیا گیا۔جبکہ بادشاہی مسجد بھی اِس دور''1084ھ 1673ء''میں تعمیر ہوئی۔مزار شریف کے اندر چاروں طرف سنگ سرخ کے ڈبل پتھر پر بیل بوٹے جس انداز سے کندہ کئے گئے ہیں۔اس قسم کی میناکاری قلعہ لاہور سمیت دیگر کسی بھی قدیم عمارت میں دیکھنے کو نہیں ملتی دائیں جانب لائبریری،دستکاری سکول اور شفاخانہ محکمہ اوقاف کے زیر کنٹرول ہے قبرستان بھی اِس جانب ہے جس کے ساتھ ایک وسیع باغ ہے۔باغ کے وسط میں ایک بلند چبوترے پر شہزادہ دارہ شکوہ کی بیوی''نادرہ'' بیگم کا مقبرہ ہے۔تعویز پر سن وفات 1069ھ 1659ء تحریر ہے۔مزار شریف کے بائیں جانب بادشاہی مسجد کی طرز پر سنگل دالان پر مشتمل مسجد ہے۔حال ہی میں 24 جنوری 2003ء بروز جمعہ المبارک کی شام عبدالعلیم خاں ممبر صوبائی اسمبلی نے مزار شریف کے سامنے میاں میر ہسپتال کا افتتاح کیا ہے۔

1960ء میں محکمہ اوقاف پنجاب نے اُس وقت کے سجادہ نشین سید نورالحسن سے خانقاہ اپنی تحویل میں لے لی۔آج کل مزار شریف محکمہ اوقاف کے زیر انتظام ہے۔

حضرت صابر شاہؒ

صابر شاہ ایک نیم مجذوب درویش تھے۔ لاہور آپ کا آبائی وطن تھا۔ آپ احمد شاہ ابدالی کے پیر تھے۔ آپ کے دادا کا نام غالباً لقب استاد حلال خور بیان کیا جاتا ہے۔ جو کابل میں گھوڑوں کے امراض کے طبیب تھے۔ بعدازاں ترکِ دنیا کر کے درویشی اختیار کر لی استاد حلال خور کا بیٹا یعنی صابر شاہ کے والد حسین شاہ تھے وہ بھی فقیر تھے صابر شاہ نے اس ماحول میں پرورش پائی آپ پر سکر غالب تھا نادر شاہ کی زندگی ہی میں حضرت امام رضاؒ کے صاحبزادے حضرت سلطان ابوالحسن علیؒ کے روضہ پر صابر شاہ کی ملاقات احمد شاہ ابدالی سے ہوئی۔ اور اس درویش نے احمد شاہ ابدالی کو بادشاہت کی بشارت دی صاحب تخت و تاج بننے کے بعد بادشاہ احمد شاہ ابدالی صابر شاہ کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا اور بہت احترام کرتا (مقالہ سیاسی اور ثقافتی تاریخ از پروفیسر محمد شجاع الدین مطبوعہ ماہنامہ نقوش لاہور نمبر)

21 مارچ 1746ء شاہنواز خاں بیگم پورہ میں داخل ہوا۔ اور اس نے لاہور پر قبضہ کر لیا۔ احمد شاہ ابدالی نے شاہنواز کے سفیر سے دوستی اور تعاون کی شرائط طے کیں۔ عہد نامہ لکھا گیا۔ اور ہارون خاں سدوزئی کو شاہنواز خان کے پاس بھیجا گیا تاکہ اس سے نئے سیاسی حالات کے بارے بات چیت طے ہو، ہارون خاں سدوزئی لاہور پہنچا تو یہاں کا عالم ہی بدلا ہوا تھا۔ یہ حالات دیکھ کر اس نے فی الفور احمد شاہ کو اطلاع دی اس پر احمد شاہ ابدالی نے لاہور پر حملہ کر کے شاہنواز کو اس کی بدعہدی کی سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ اور احمد شاہ ابدالی صابر شاہ کے ہمراہ لاہور آیا جب شاہدرہ کے قریب پہنچے تو صابر شاہ نے احمد شاہ ابدالی سے کہا کہ یہ میرا شہر ہے میں نہیں چاہتا کہ اس میں قتل و غارت ہو اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے وکیل کر کے شاہنواز خاں کے پاس بھیج دے۔ احمد شاہ ابدالی نے اجازت دے دی۔ صابر شاہ لاہور آیا تو شاہنواز خاں نے اپنے دربار میں بلایا اور لاہور آنے کا مقصد پوچھا جس پر صابر شاہ نے شاہنواز کو احمد شاہ ابدالی سے اپنا معاہدہ نبھانے اور اپنی بات پر قائم رہنے کا کہا اور یہ کہا کہ بدذات بیوقوف احمد شاہ ابدالی تشریف لائے ہیں تجھے لازم ہے کہ تو ان کی خدمت میں حاضر ہو اور آداب بجالا اور امان مانگ کہ تو اور خلق خدا ہلاک نہ ہو، اور یہ بھی کہا کہ تم باشندگان شہر و اس بربادی سے نہ بچا سکو گے۔ شاہنواز خاں نے صابر شاہ کی گفتگو کو اپنے حضور گستاخی قرار دیا۔

شاہنواز یہ سن کر آگ کا بگولا بن گیا، اور حکم دیا کہ اگرچہ وکیلوں کو مارنا ممنوع ہے مگر ایسے بے ادب زبان دراز کو چھوڑنا بھی مناسب نہیں اور حکم دیا کہ اس کے گلے میں پگھلی ہوئی گرم چاندی ڈالی جائے اس سزا کو درویش صابر شاہ برداشت نہ کر سکا اور گرم سیال چاندی گلے میں اترتے ہی دم توڑ گیا۔ اس بات کا کسی کو علم نہ تھا کہ آپ فقیر باخدا ہیں۔ شاہنواز خاں نے صابر شاہ کی لاش بے گور و کفن پھنکوادی جسے بعد ازاں افغانوں نے بادشاہی مسجد کے عقب میں دفن کیا جو بادشاہی مسجد کے مغربی جانب لیڈی ولینگڈن ہسپتال اور سڑک (عہد برطانیہ سے پہلے یہ تمام جگہ بادشاہی مسجد کا باغ تھی انگریز دور میں پختہ سڑک بنا کر اسی حصہ کو بادشاہی مسجد سے الگ کر دیا گیا) کے درمیان واقع ہے۔

جب یہ خبر احمد شاہ ابدالی کو پہنچی تو وہ شدید غم و غصہ میں آ گیا احمد شاہ ابدالی 8 جنوری 1748ء کو لاہور کے قریب خیمہ زن ہوا اور 12 جنوری 1748ء کو بیگم پورہ میں داخل ہوا۔ لوٹ مار اور قتل عام کا حکم دے دیا خلق خدا کو بے دریغ قتل کیا گیا۔ اور بڑی بڑی عالی نژاد خواتین بے آبرو ہوئیں۔

آخر کار میر مومن خاں، سید جمیل الدین، میر نعمت خاں بخاری دیوان لکھپت لائے اور دیوان صورت سنگھ وغیرہ اکابر لاہور ایک وفد کی صورت میں احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور تیس لاکھ روپیہ نذرانہ پیش کر کے رحم کی درخواست کی جس کے بعد قتل و غارت گری کا سلسلہ بند ہوا۔ کہتے ہیں کہ ایک لاکھ مغل ناظم لاہور کے پاس نوکر تھے ان کو ایسی ہیبت آئی کہ بادشاہی مسجد کے میناروں سے گر کر ہزاروں فوت ہو گئے۔ بے گناہ صابر شاہؒ کی موت کا انتقام ختم ہوا اور باشندگان لاہور خصوصاً بیگم پورہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ شاہنواز خاں کو گرفتار کر لیا گیا اور آہنی پنجرے میں قید کر کے احمد شاہ ابدالی کے سامنے پیش کیا گیا۔ احمد شاہ ابدالی شاہنواز خاں کو دیکھ کر غضبناک ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے ظالم بے وقوف تو نے میرے پیر کو قتل کر دیا بول اب تیری سزا کیا ہے۔ شاہنواز خاں نے جواب دیا۔

اگر جلاد ہے تو مار ڈال
اگر تاجر ہے تو بیچ ڈال
اگر ظالم ہے تو قید کر دے
اور اگر بادشاہ ہے تو معاف کر دے

احمد شاہ ابدالی نے شاہنواز کی اس بات پر اس کی جان بخش دی اور ایک ماہ بیگم پورہ میں مقیم رہا پنجاب کے تمام سرداروں کو مطیع کر کے اپنا سکہ جاری کیا 19 فروری کو قصور کے افغان سردار جملہ خاں کو لاہور کا ناظم مقرر کر کے دہلی کی طرف چلا گیا۔

حضرت صابر شاہؒ کا مزار آج بھی اسی مقام پر موجود ہے۔ بادشاہی مسجد اور لیڈی ویلنگڈن ہسپتال کے عقب (یعنی مسجد اور ہسپتال کے وسط میں) خطیب بادشاہی مسجد کی رہائش گاہ کے بائیں اور ڈینٹل ہسپتال کے سامنے ایک بلند چبوترے پر واقع ہے شروع میں بائیں جانب مسجد ہے 1988ء میں بجلی کا سرکٹ شاٹ ہو جانے کی وجہ سے مزار کے گردونواح میں آگ لگ گئی تھی جس سے مزار شریف پر لگی لکڑی کی جالیاں وغیرہ بھی جل گئیں تھیں۔ 1988ء میں مزار کو از سر نو تعمیر کیا گیا۔ جو ایک بلند وسیع چبوترے پر واقع ہے۔ قیام پاکستان سے قبل دربار کے صدر داخلی دروازے سے سیڑھیاں مزار تک پہنچتی تھیں اور یہاں سے مزار کے چبوترے تک دربار کے سابقہ متولی فلمسٹار ہدایتکار آصف جاہ نے قیام پاکستان کے بعد سیڑھیوں کو ڈھلوان کی شکل میں بدل دیا۔ مزار کی موجودہ سیڑھیاں الٹے وی (V) کی شکل میں تعمیر کی گئیں ہیں۔ الٹے وی (V) کے پیٹ میں قبر پر تحریر ہے سید عتیق اللہ المعروف نواب داؤد خان (حاکم پنجاب) و برادر حضرت صابر شاہؒ سال وصال 1180ھ تحریر ہے جبکہ حضرت صابر شاہؒ کی شہادت 1161ھ میں ہوئی لیکن راقم کو اس بارے کتابوں سے ان کی اس مقام پر تدفین کا کوئی ذکر نہ مل سکا۔ ایک مورخ کے مطابق یہاں دو بزرگوں کے مزار ہیں۔ ایک حضرت صابر شاہؒ اور دوسرے سائیں گھنگروؒ بھی یہاں نامور طوائفیں چوکی دینے آیا کرتی تھیں۔ سیڑھیوں کے بائیں جانب ایک چبوترے پر سائیں گھنگرو کی قبر ہے۔ جبکہ آس پاس نو (9) قبریں سابقہ متولیوں وغیرہ کی ہیں۔ مزار شریف کی از سر نو تعمیر کا سنگ بنیاد 14 اکتوبر 1988ء کو رکھا گیا۔ مزار شریف کی تعمیر انجمن غلامان رسول کی زیر نگرانی سائیں اختر حسین قادری نے کروائی۔ ہر جمعرات یہاں میلہ لگتا ہے قوالیاں ہوتی ہیں اور لنگر عام تقسیم ہوتا ہے۔

شہر لاہور کا یہ خیر خواہ (حضرت صابر شاہؒ) جو باشندگان شہر کو بربادی سے بچانے کیلئے اپنی جان کی قربانی دینے کے باوجود انہیں تباہی سے نہ بچا سکا۔ اور آج بھی شہر لاہور میں ابدی نیند سو رہا ہے۔

مٹی کی محبت میں ہم آشفتہ سروں نے
وہ قرض اُتارے ہیں جو واجب بھی نہیں تھے

لوہ کوٹ سے لاہور تک
لوہ آور سے قلعہ لاہور تک
جب لاہور جوان تھا
بادشاہی مسجد

لوہ کوٹ سے لاہور تک
راؤ جاوید اقبال
لوہ آور سے قلعہ لاہور تک
راؤ جاوید اقبال
جب لاہور جوان تھا
بادشاہی مسجد
راؤ جاوید اقبال